

۲۰ سوالات اور ان کے جوابات

صوفیہ کے اوراد و اشغال بدعت نہیں

سوال :- ۱۔ صوفیہ صاحبان اور خانقاہی سلسلے کے لوگوں نے تصوف کے نام پر جو اوراد و اشغال گھڑ رکھے ہیں، کیا یہ سب صحابہ کے دور میں تھے؟ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دلوں کی صفائی کے لیے کیا صحابہ کو ان کی ضرورت تھی؟ کیا یہ بدعت نہیں؟

جواب :- معروف عالم دین مولانا خرم علی باہوری (۱۴۷۳ھ) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ایک بیان کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: بعضے نادان کہتے ہیں کہ قادیان اور چشتیہ اور نقشبندیہ کے اشغال مخصوصہ صحابہ اور تابعین کے زمانے میں نہ تھے تو بدعت سیئہ ہوئے۔ خلاصہ جواب یہ ہے کہ جس امر کے واسطے اولیائے طریقت رضی اللہ عنہم نے یہ اشغال مقرر کیے ہیں، وہ امر زمان رسالت سے اب تک برابر چلا آیا ہے، کو طریق اس کی تحصیل کی مختلف ہیں تو فی الواقع اولیائے طریقت مجتہدین شریعت کے مانند ہوئے۔ مجتہدین شریعت نے استنباط احکام ظاہر شریعت کے اصول ٹھہرائے اور اولیائے طریقت نے باطن شریعت کی تحصیل کی۔ جس کو طریقت کہتے ہیں۔ تو اہل مقرر فرمائے، تو یہاں بدعت سیئہ کا گمان سر امر غلط ہے۔ ہاں! یہ البتہ ہے کہ حضرات صحابہ کو بسبب صفائے طبیعت اور حضور خورشید رسالت کی تحصیل نسبت میں ایسے اشغال کی حاجت نہ تھی، بخلاف متاخرین کے کہ ان کو بسبب بعد زمان رسالت کے: البتہ اشغال مذکورہ کی حاجت ہوئی، جیسے صحابہ کرام کو قرآن اور حدیث کے فہم میں تو اہل صرف و نحو کے دریافت کی حاجت نہ تھی اور اہل عجم اور بافعل عرب اس کے محتاج ہیں۔ واللہ اعلم (شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص ۱۱۸)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جو لوگ اس قسم کا اعتراض کرتے ہیں وہ نادان ہیں۔ مولانا خرم علی باہوری غیر مقلدین کے ہاں غیر معروف نہیں ہیں، یہ لوگ حضرت موصوف کوراہو حید کے غازی اور حضرت سید احمد شہید کی مقدس فوج کو اہل علم اور صاحب حال و قال سپاہی کہتے ہیں۔ (مقدمہ نصیحۃ المسلمین۔ شائع کردہ مکتبہ سلفیہ لاہور) نیز ان کے اشعار خصوصاً یہ شعر ہر غیر مقلد کی زبان پر ہوتا ہے کہ۔ ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار مت دیکھ کسی کا قول و کردار (ایضاً ص: ۸۲) ظاہر ہے کہ اگر صوفیہ کے ان اشغال میں کسی پہلو سے بدعت کا شائبہ ہوتا تو آپ کبھی تائید نہ کرتے آپ کا ان لوگوں کو نادان کہنا جو اس پر اعتراض کرتے ہیں، بتاتا ہے کہ یہ اشغال بدعت نہیں ہیں۔

اسلام میں قیاس کی حیثیت

سوال :- ۲۔ اسلام میں قیاس کی کیا حیثیت ہے؟

جواب :- اسلام میں کسی چیز کو ثابت کرنے کے لیے چار اصول مقرر ہیں: قرآن، سنت، اجماع امت اور قیاس شرعی۔ یہ اولاد اربعہ کہلاتے ہیں، یعنی جب کسی مسئلہ میں کوئی نص نہ ملے یا اجماع امت نہ ملے تو اس وقت قیاس شرعی سے استدلال کیا جاتا ہے۔ غیر مقلدین کے امام مولانا محمد اسلمیل سنی مرحوم (گورنوالہ) فرماتے ہیں کہ قیاس کا ثبوت خود قرآن کریم سے ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

اللہ الذی انزل الكتاب بالحق والمیزان (الشوری: ۱۷)

ترجمہ: اللہ نے کتاب کو حق کے ساتھ اتارا اور اس کے ساتھ میزان کو بھی اتارا

جس میزان کا تعلق کتاب کے ساتھ ہے اور اس کے ساتھ وہ اتری ہے یہ ترازو وہ نہیں جو مادی اور جسمانی چیزوں میں توازن کے لیے بنائی گئی ہے، اس سے مراد وہی میزان ہے جو کتاب کے فہم اور اولاد شرعیہ میں جس سے بصیرت ہوتی ہے جس سے مختلف نظائر کے حکم میں توازن ہوتا ہے اس کا فقہی اور اصطلاحی نام قیاس سمجھ لینا چاہیے؛ لیکن حقیقت میں وہ میزان ہے: اس لیے نہ قیاس کی ضرورت سے انکار کیا جاسکتا ہے اور نہ اپنے مقام پر اس کی جیت اور افادیت کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ (تحریک آزادی قرص: ۵۶)

آپ ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

نظاراً اور ملتی جلتی چیزوں کے احکام بھی باہم متشابہ رہنے چاہئیں، عقل سلیم کا یہی فتویٰ ہے، قرآن حکیم نے ”انزل الكتاب بالحق والمیزان“

فرما کر قیاس کے اسی پہلو کو واضح فرمایا ہے۔ (ایضاً ص: ۱۵۸)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل حدیث صاحب اصطلاح جدید کے یہاں قیاس کا ثبوت خود قرآن کریم سے ہے، کو یانس سے قیاس کا شرعی وجود ثابت ہے اب پیشوائے اہل حدیث جناب نواب صدیق حسن خاں صاحب سے سنئے: آپ اسے اصول شریعت میں سے ایک اصل کہتے ہیں:

ذهب الجهمهور من الصحابة والتابعين والفقهاء والمتكلمين الى ان القياس الشرعي اصل من اصول الشريعة يستدل به

على الاحكام التي يرد بها السمع وليس فيها نص ولا اجماع (الجزء ۱۲، ماخوذاً من کلام المفید، ص: ۱۱۳)

جمہور حضرات صحابہ اور تابعین اور فقہاء اور متکلمین اس طرف گئے ہیں کہ شرعی قیاس اصول شریعت میں سے ایک اصل ہے احکام سعی میں (ان مسائل میں جو روایت سے چلتے ہوں): جب ان کے اثبات کے لیے کوئی نص اور اجماع نہ ہو تو قیاس شرعی سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔

جناب نواب صاحب نے افادۃ اشبوخ کے ص ۲۲ پر بھی یہ بات تحریر کی ہے اور کل کر قیاس کی جیت کا اقرار کیا ہے۔ حافظ ابن قیم حنبلی (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں کہ حضور کے صحابہ اور تابعین بھی قیاس کا استعمال کرتے تھے، حافظ ابن قیم قدس سرہ کا یہ بیان غیر مقلد عالم مولانا عبد الرحمن مبارکپوری نے بھی نقل کیا ہے اور اس کی تائید بھی کی ہے۔

قال ابن القيم قال المزنی الفقہاء من عصر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم الی یومنا وھلم جراً استعملوا المقایس فی الفقہ

فی جمیع الاحکام فی امر دینہم الامر کما قال ابن القيم (تحفۃ الاحوذی، ج: ۲، ص: ۲۷۶)

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ امام مزنی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لے کر ہمارے دور (تیسری صدی ہجری) تک فقہاء کرام تمام دینی مسائل میں قیاس کا استعمال کرتے تھے۔

مولانا مبارکپوری فرماتے ہیں کہ حقیقت یہی ہے جیسا کہ حافظ ابن قیم نے فرمایا ہے۔

یہ اہل علم حضرات کی بات ہے ورنہ غیر مقلدین کے چھوٹے بڑے یہ کہتے نہیں جھٹکتے کہ قیاس کا استعمال تو سب سے پہلے شیطان نے کیا ہے اور یہ خفی لوگ سب اس کی تھلید کر رہے ہیں۔ (لاحول ولا قوۃ الا باللہ)

کیا صحیح بخاری میں احناف کی مخالفت کی گئی ہے؟

سوال :- ۳۔ امام بخاری اپنے دور کے امیر المؤمنین فی الحدیث تھے، انھوں نے امام ابوحنیفہؒ کے کیوں ایک روایت بھی نہیں لی؟ نیز کیا یہ بات صحیح نہیں کہ امام بخاری نے بخاری شریف میں قال بعض الناس کہہ کر حنفیہ کو آڑے ہاتھوں لیا ہے؟ اور ان کی مخالفت کی ہے؟

جواب :- ۴۔ امام بخاری اس وقت حیات نہیں کہ ہم ان سے اس کا سبب دریافت کریں اور نہ ہی آپ نے کہیں اس کی صراحت کی ہے کہ میں نے ان وجوہات کی بناء پر امام ابوحنیفہؒ سے کوئی روایت نہیں لی۔ امام ابو داؤد و حضرت امام بخاری کے شاگرد ہیں، انھوں نے اپنی سنن میں امام بخاری سے صرف ایک روایت لی ہے تو کیا اس کا یہ مطلب سمجھا جائے گا کہ ان کے نزدیک امام بخاری صرف ایک روایت میں ثقہ تھے؟ (معاذ اللہ)

پھر یہ بات بھی مسلم ہے کہ روایت حدیث میں حضرت امام بخاری کا اپنا ایک وضع کردہ موقف تھا، اس قاعدہ پر جو بھی اتر آپ نے ان سے روایت لے لی، خواہ اس راوی کا تعلق روافض سے ہو یا خوارج سے۔ اور اگر کوئی آپ کے اس وضع کردہ قاعدہ پر پورا نہ اترتا تو آپ نے اس کی روایت نہیں لی، خواہ وہ امام جعفر صادق ہوں یا امام شافعی ہوں یا دیگر ائمہ محدثین ہوں۔ حضرت امام مسلم نے بعض المستحیلین فی علم الاثر کہہ کر کہن حضرات کی شروط روایت پر تعریض کی ہے۔ غیر مقلدین پیشوا مولانا وحید الرحمن حیدر آبادی صاحب نے امام بخاری کی شکایت کی ہے کہ انھوں نے خوارج (خارجی فرقہ کے لوگوں) سے تو روایات لیں، مگر حضرت امام جعفر صادق سے کوئی روایت نہیں لی۔ آپ لکھتے ہیں:

امام جعفر صادق مشہور امام ہیں بارہ اماموں میں سے، بڑے ثقہ فقہ حنفیہ تھے، امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے (بعض روایات میں) شیخ ہیں اور

امام بخاری کو معلوم نہیں کیا شبہ ہو گیا کہ وہ اپنی صحیح میں ان سے روایت نہیں کرتے اور یحییٰ بن سعید قطان نے بڑی بے ادبی کی ہے جو کہتے ہیں فسی

نفسی شيء منه ومحال احب الی منه حالاً کہ جالہ کو امام صاحب کے سامنے کیا رتبہ ہے ایسی ہی باتوں کی وجہ سے تو اہل سنت بدنام ہوتے ہیں

کہ ان کو اہل اہل بیت سے کچھ محبت و اعتقاد نہیں ہے، اللہ امام بخاری پر رحم کرے مروان اور عمران بن حطان اور کئی خوارج سے تو انھوں نے روایت کی

اور امام جعفر سے جو ان رسول اللہ ہیں ان کی روایت میں شبہ کرتے ہیں۔ (لغات الحدیث، ج: ۱، ص: ۶۲ ج)

مولانا موصوف یہاں صرف اسی کی شکایت نہیں کر رہے ہیں کہ امام بخاری نے ان سے کوئی روایت نہیں لی بلکہ اس پر بھی شاکی ہیں کہ امام بخاری کے اس طرز عمل سے اہل سنت بدنام ہو رہے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ موصوف کا یہ نتیجہ غلط ہے، ان کی اس شکایت کے پیچھے ان کی شیعیت بول رہی ہے۔ امام بخاری نے تو امام شافعی سے بھی کچھ نہیں لیا۔ فتاویٰ ثنائیہ کا یہ بیان ملاحظہ فرمائیں:

صحیح بخاری میں امام شافعی سے آپ نے (یعنی امام بخاری نے) کچھ اخذ نہیں کیا صرف ایک جگہ بلطف ابن اور لیں ان کا نام تو لیا ہے مگر ان سے نہ کوئی حدیث لی

ہے اور نہ کسی اجتہادی مسئلہ میں ان کی پیروی کی ہے اور نہ کسی جگہ میں ان کا نام لے کر کسی مسئلہ میں ان کی تائید کی ہے، پس اس سے ثابت ہوا کہ وہ امام شافعی کو

لائق اتباع و باخذ روایت نہیں سمجھتے، اگر ایسا سمجھتے تو ان کی روایت کو ترک نہ کرتے پس باوجود ثقہ ہونے امام شافعی کے، ان سے امام بخاری نے کوئی حدیث

روایت نہیں کی۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج: ۱، ص: ۳۸۵)

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ حضرت امام بخاری نے امام ابوحنیفہ کے بعض تلامذہ سے روایتیں لی ہیں:

ربان صحیح بخاری میں قال بعض الناس کا اشارہ تو عرض یہ ہے کہ اس سے مطلقاً احناف مراد لینا بھی درست نہیں ہے۔ امام بخاری معصوم تو نہیں ہیں۔ نواب صدیق حسن خان قنوجی نے آپ کو شوافع میں لکھا ہے، سو امام بخاری نے اگر احناف سے کچھ اختلاف کیا ہے تو امام شافعی سے بھی ان کے اختلافات کچھ کم نہیں ہیں یہ کوئی چوٹ کی بات تو نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کوئی حقیقت ہے کہ آپ نے اس اشارے سے احناف ہی مراد لیے ہیں۔

اہل علم جانتے ہیں کہ جس طرح امام بخاری نے بعض مسائل میں احناف سے اختلاف کیا، اسی طرح بعض محدثین حتیٰ کہ خود ان کے اپنے تلامذہ نے بھی ان سے بعض مسائل میں اختلاف کیا ہے، اگر قال بعض الناس کہنا آڑے ہاتھوں لینا ہے تو شدد قوم من اہل العلم کو بھی اسی صف میں شامل کر لیجئے۔ یہ امام ترمذی کا بیان ہے جو امام بخاری کے تلمیذ رشید ہیں۔ رہے آپ کے استاذ حدیث اور شیخ اور وقت کے محدث اور امام حضرت محمد بن یحییٰ ذہلی، تو انھوں نے حضرت امام بخاری کے لیے اس سے بھی سخت جملہ کہا ہے۔ مولانا وحید الرحمن موصوف لکھتے ہیں:

محمد بن یحییٰ ذہلی نے جو بڑے محدث اور امام بخاری کے شیخ تھے، اس کام پر امام بخاری کو طعون کیا کہ بدعتی ہیں۔ (تیسرے الباری ج: ۹، ص: ۵۲۵)

اب سوال یہ ہے کہ کیا امام بخاری اپنے شیخ کی نظر میں بدعتی تھے؟ ہرگز نہیں۔ معروف غیر مقلد پیشوا مولانا وحید الرحمن حیدر آبادی لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اپنی صحیح میں کئی مقاموں میں یوں کہا ہے: ”قال بعض الناس“ اور اس سے حنفیہ یا امام ابوحنیفہ یا امام محمد یا امام شافعی کو مراد لیا ہے، ”بعض

الناس“ کوئی تحقیق کا کلمہ نہیں ہے۔ (لغات ص: ۸۰ ب)

موصوف ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

یہاں سے ان لوگوں کا جواب ہو گیا، جو کہتے ہیں کہ امام بخاری نے بعض الناس کے لفظ سے امام ابوحنیفہ کی تحقیر کی ہے؛ کیوں کہ بعض الناس کوئی تحقیر کا کلمہ

نہیں ہے، اگر تحقیر کا کلمہ ہوتا، تو امام شافعی کے لیے کیوں کر استعمال کرتے۔ (تیسرے الباری ج: ۹، ص: ۳۳۶)

اس میں آپ نے بتایا کہ اس سے صرف احناف مراد لینا درست نہیں ہو سکتا ہے، امام شافعی مراد ہوں اور اگر احناف ہی کو مراد مانا جائے، تو بھی بقول نواب صاحب یہ کوئی کلمہ تحقیر نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ آج کے غیر مقلدین اسے کلمہ حقارت سمجھتے ہوں۔ تاہم یہ بات یاد رکھیں کہ حضرت مولانا محمد علی محدث سہارنپوری نے اپنے رسالہ دفع الوہو اس میں امام بخاری کے ایک ایک تال بعض الناس کا پورا جواب دیا ہے۔ فرمہ اللہ تعالیٰ عنہا

جہاں تک صحیح بخاری کی عظمت کا تعلق ہے تو اہل سنت ہمیشہ سے اس کا اعتراف کرتے چلے آئے ہیں، مگر غیر مقلدوں کے ہاں صحیح بخاری کی عزت و عظمت کا دعویٰ صرف زبانی ہے یا پھر ان چند مسائل میں جو اس جدید فرقہ کے ہاں ملے ہیں جیسے فاتحہ خلف الامام یا رفع یدین عند الزکوع وغیرہ۔ ورنہ ان کے یہاں یہ کتاب اختلاف پیدا کرنے والی ہے اور اسے آگ لگا دینے تک کی بات کی گئی ہے۔ غیر مقلدوں کے جناب مولانا بشیر الرحمن صاحب سحتن نے کتنی غیر متحقیق بات کہی ہے، اسے بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ ۱۹۸۲ء میں تہران (ایران) میں اتحاد امت کے موضوع پر ایک کانفرس منعقد تھی، جس سے موصوف نے بھی خطاب کیا انھوں نے اپنے خطاب میں شیعہ سنی اختلاف کو ختم کرنے کا جو نسخہ تجویز کیا وہ یہ تھا کہ سنی مسلمان صحیح بخاری کو آگ میں ڈالیں اور شیعہ اصول کافی کو حوالہ آتش کر دیں۔ موصوف کا خطاب ملاحظہ کریں:

اختلاف کرنا ضروری ہے، مگر اختلاف ختم کرنے کے لیے اسباب اختلاف کو مٹانا ہوگا، فریقین کی جو کتب قابل اعتراض ہیں ان کی موجودگی

ہے؟ یہ من گھڑت مسئلہ کب اور کہاں بنا ہے؟

جواب:- حضرات ائمہ کرام اگر کسی بات پر اتفاق کریں تو اس میں پھر اختلاف نہ کرنا چاہیے۔ مثلاً ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ تراویح کم از کم میں رکعت ہیں تو اب اس کی مخالفت میں اٹھنا کوئی اچھا طریقہ نہیں ہے، اسی طرح ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کا تین ہی واقع ہونا اس پر بھی ائمہ اربعہ اتفاق کرتے ہیں، اب ان کے خلاف چلنا یہ اجماع کی مخالفت کرنا ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ عامی شخص اپنے زندہ مولویوں کی تقلید کرے اور ان سے دلیل نہ پوچھے کہ یہ اس کی سمجھ سے بالا ہے تو یہ جائز ہے اور فوت شدہ اماموں کی تقلید گناہ ہے، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مذہب اربعہ کے یہ مسائل ان کے اختراعی اور من گھڑت ہیں، قرآن وحدیث کے خلاف ہیں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پوری امت کا اجماع ان باتوں میں ہو جائے اور یہ لوگ دین کے اس قدر اہم مسائل میں قرآن وسنت کی مخالفت پر اتر آئیں اور سب کے سب قرآن وسنت کے خلاف ایک موقف اختیار کریں۔ ہرگز نہیں۔ یہ سب بزرگ قرآن وسنت کے ہی ترجمان ہیں اور اسی کی روشنی میں ہدایت دیتے ہیں؛ اس لیے ایک اجماعی موقف کی مخالفت کرنا درست نہیں ہے۔ حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ میں ائمہ اربعہ میں سے کسی کی پابندی نہیں کرتا، بلکہ ان کے خلاف چلتا ہوں تو وہ اکثر مسائل میں خطا کرنے والا ہے؛ کیوں کہ اکثر مسائل شرعیہ میں حق ان چار مذہب سے خارج نہیں ہے۔

ان اراد انی لا اتبعہما بہما کلہما بل اختلفا فہو منخطی فی الغالب قطعاً اذا الحق لا یخرج عن ہذہ الاربعہ فی عامۃ الشریعۃ۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲- ص ۲۱۹ مختصر الفتاویٰ المصریہ ص ۶۱۱)

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ مرشد کے شرائط کے بیان میں لکھتے ہیں:

قرآن وحدیث کا علم اس کے پاس اتنا ہونا چاہیے کہ معانی اور اس کی شرح غریب لغات مشکل کا ترجمہ اور اعراب مشکل اور تاویل معصل کے برابر فقہائے دین کی رائے کا بھی اسے علم ہو۔ (القول الجلیل ص ۲۱)

اس پر راہتو حید کے غازی مولانا مہر علی بلہوری (۱۲۷۳ھ) لکھتے ہیں:

مصنف نے لفظ محتمل بمعنی اور اتباع متعارفہ میں اتباع مذاہب فقہاء کی اس واسطے تصریح کی کہ چاروں اماموں کی مخالفت میں ضلالت صریح ہے یعنی اس نے ترک اجماع کیا۔ (ایضاً ص ۲۱)

مرزا غلام احمد کے غیر مقلد ہونے کا اقرار

سوال :- ۶ مرزا غلام احمد مقلد تھا یا غیر مقلد؟

جواب:- مرزا غلام احمد کے غیر مقلد ہونے میں شک نہیں ہے، تاہم یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ وہ اہل حدیث (باصطلاح قدیم یعنی طبقہ حدیثین) سے ہرگز نہ تھا۔ مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد اسماعیل سلمیٰ مرحوم لکھتے ہیں کہ وہ نہ حنفی تھا نہ اہل حدیث تھا، بلکہ غیر مقلد تھا۔ آپ لکھتے ہیں:

مرزا غلام احمد قادیانی اپنے آپ کو بریلوی حنفی ظاہر کرتے تھے؛ لیکن حقیقت میں وہ حنفی بھی نہ تھے، اہل حدیث کا کیا ہوتا؛ البتہ غیر مقلد ہو سکتے ہیں؛ کیوں کہ وہ نفاق حنفی کے پابند تھے نہ وہ صحابہ و تابعین ائمہ سلف کی روش پر چلنا پسند کرتے تھے۔ تنقید حدیث کے متعلق وہ ائمہ حدیث کے بجائے اپنی ذات کو معیار سمجھتے ہیں؛ اس لیے ترک تقلید کے باوجود اہل حدیث نہیں ہیں۔ (تحریک آزادی فکر ص ۱۸۸)

مولانا مرحوم نے آگے چل کر عبد اللہ چچڑ الوی غلام احمد پرویز اور اسی مزاج کے دوسرے لوگوں کے بارے میں لکھا ہے:

یہ حضرات آوارہ مزاجی کے لحاظ سے صرف غیر مقلد ہو سکتے ہیں۔ (ایضاً ص ۱۸۹)

اور پھر اپنے ایک پرانے ساتھی حکیم عبد الرحیم اشرف کے بارے میں لکھتے ہیں:

وہ اہل حدیث سے بھی الگ ہو رہے ہیں اور اس مردِ تقلید کی مسالک سے بھی انکا کچھ نمایاں تعلق معلوم نہیں ہوتا، وہ آج کل تقریباً ملاء اہلی کے قریب تشریف رکھتے ہیں، وہ کسی باطنی قسم کے اسلام کی دعوت دیتے ہیں یا دینا چاہتے ہیں جو موجودہ اسلام پسند اور یوں پرور جماعتوں میں نظر نہیں آ رہا ہے؛ اس لیے وہ اصل اسلام کے لیے آج کل کافی پریشان ہیں..... ہمیں ان سے کوئی بحث نہیں البتہ خطرہ ضرور ہے، ان کی اس تلقین سے نہ مقلد پیدا ہوں گے نہ اہل حدیث؛ البتہ غیر مقلد شاید پیدا ہو جائیں، ہماری دانست میں وہ ابھی اہل حدیث ہیں۔ (ایضاً ص ۱۸۹)

محترم مولانا سلمیٰ مرحوم کے ان بیانات سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مرزا غلام احمد مقلد تھا یا غیر مقلد۔ ہم نے مرزا غلام احمد کو غیر مقلد کہا ہے تو کوئی زیادتی نہیں کی ہے۔ خود مولانا سلمیٰ صاحب بھی اسے غیر مقلد مانتے ہیں اور پھر حد تو یہ ہے کہ اپنے ساتھی اشرف صاحب کے خطرناک خیالات کے باوجود فرماتے ہیں کہ وہ بھی اہل حدیث ہیں۔ بہر حال آپ کے سوال کا جواب مولانا سلمیٰ صاحب کی تحریر میں موجود ہے اور مرزا غلام احمد کے غیر مقلد ہونے کی شہادت مولانا سلمیٰ مرحوم دے رہے ہیں۔

اسلام میں تعویذ کی شرعی حیثیت اور غیر مقلدین کا شرکیہ دم کرنا

سوال :- ۷ دیوبندی اور بریلوی پیروں کا تعویذ کا کاروبار کرنا کیا حدیث کی رو سے جائز ہے؟ کیا تعویذ گھٹے میں لٹکانا شرک نہیں؟

جواب: شیطانی اثرات سے حفاظت کے لیے آیات قرآنیہ اور اسمائے الہیہ یا دیگر اویہ ما ثورہ پڑھنا اسے لکھ کر گھٹے میں لٹکانا جائز ہے ممنوع نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے متعلق مروی ہے: وکان عبد اللہ بن عمرو یعلمہا من بلغ من ولده ومن لم یبلغ منہم کتبہا فی صک ثم علقہا فی عنقہ۔ رواہ ابو داؤد (مشکوٰۃ ص ۲۱۷ جامع ترمذی ج ۲- ص ۱۹۱)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآنی آیات اور ما ثور کلمات پر مشتمل الفاظ لکھ کر کسی کے گھٹے میں باندھنا ممنوع نہیں ہے۔ اگر اس میں ذرہ بھر قباحت ہوتی تو آپ کے صحابی کبھی اس عمل کو اختیار نہ فرماتے۔ ہاں! تعویذ کا کاروبار کرنا اور کفریہ اور شرکیہ الفاظ لکھ کر گھٹے میں لٹکانا حرام ہے، اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ حضرت عوف بن مالکؓ کہتے ہیں کہ ہم دور جاہلیت میں جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے، چنانچہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی بات دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

اعرضوا علی رفاکم لا یاس بالرقی مالم یکن فیہ شرک۔ (صحیح مسلم ج ۲- ص ۲۱۹)

مجھ پر اپنے وہ جھاڑ پھونک پیش کرو اگر ان میں شرک نہیں تو پھر کوئی حرج نہیں۔

محدث شہیر امام نوویؒ نے اس پر یہ باب باندھا ہے: باب لا یاس بالرقی مالم یکن فیہ شرک

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اگر تعویذ شرکیہ الفاظ سے خالی ہو تو اس کا استعمال جائز ہے۔

غیر مقلدوں کے پیشوا شیخ اکل فی اکل مولانا میاں نذیر حسین صاحب مرحوم ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

تعویذ نوشیہ و گلو انداختن مضائقہ ندارد و اختلاف در ان بعضے تابعین کردہ اندر مشہور و صحیح جواز است۔ (فتاویٰ نذیریہ ج ۳- ص ۲۹۸)

تعویذ لکھ کر گھٹے میں ڈالنا جائز ہے، کوئی حرج نہیں بعض تابعین نے اس میں اختلاف کیا ہے؛ لیکن صحیح یہی ہے کہ جائز ہے۔

مولانا عبد الرحمن مبارک پوری صاحب مرحوم بھی گھٹے میں تعویذ لٹکانے کے جواز کے قائل ہیں، آپ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کی حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اور حضرت عبد اللہ بن عمروؓ اپنے بالغ لڑکوں کو یہ کلمات سکھاتے تھے اور اپنے نابالغ لڑکوں کے لیے ان کلمات کو ایک کاغذ میں لکھ کر ان کے گھٹے میں لٹکاتے تھے (رواہ ابو داؤد و الترمذی) اس روایت کے تحت شرح حدیث لکھتے ہیں کہ جس تعویذ میں اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہو یا قرآن کی کوئی آیت لکھی ہو یا کوئی دعا و ثورہ لکھی ہو سو ایسے تعویذ کا، بالغ لڑکوں کے گھٹے میں لٹکانا درست ہے۔ ملا علی قاریؒ مرقات میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

هذا اصل فی تعلیق التعویذات التي فیہا اسماء الله تعالیٰ

یہ اصل ہے ان تعویذات کے لٹکانے میں جس میں اسماء اللہ لکھے ہوں۔ (ایضاً ص ۲۹۹)

پیشوائے اہل حدیث جناب نواب صدیق حسن خاں قنوجی مرحوم نے اس پر ایک مستقل کتاب تحریر فرمائی ہے، جو کتاب تعویذات کے نام سے ہمارے پاس موجود ہے۔ مولانا حافظ عبد اللہ روپڑی صاحب بھی جھاڑ پھونک اور تعویذات کا ذوق رکھتے تھے۔ غیر مقلد عالم مولانا حافظ عنایت اللہ اثری صاحب مولانا عبد الکریم صاحب کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

”میں اپنے دوست کے ترغیب دلانے پر ان کے ہمراہ مولانا حافظ عبد اللہ روپڑیؒ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا، موصوف اس وقت تعویذات اور جھاڑ پھونک میں مشغول تھے، بہت سی ضرورت مند عورتیں پاس کے کمرے میں جمع تھیں ایک ایک کر کے پاس جاتیں اور از لہ حاجت کے بعد گھر کو روانہ ہوتیں تقریباً دو گھنٹہ تک یہ سلسلہ رہا اور ہم مسجد کے اندر بیٹھے رہے۔ (العطر البلیغ ص ۱۱۸)

معروف غیر مقلد عالم مولانا ابوالحسن افغانی کے پاس بھی تعویذ لکھوانے والوں کی ایک بھیڑ جمع رہتی تھی، مولانا نذیر احمد رحمانی المولیٰ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

آخر عمر میں آپ بھونزی کی ایک مسجد کے حجرے میں مقیم ہو گئے تعویذ لکھانے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا، خلق خدا نے ان سے بڑا فیض پایا۔

(اہل حدیث اور سیاست ص ۱۷۱)

یہ موقف عجم کے سنی (غیر مقلد) حضرات کا ہے۔ رہے عرب کے سنی شیوخ تو وہ اسے شرک سے کم درجہ دینے کے لیے تیار نہیں۔ ساحتہ اشعخ عبد العزیز بن باز کا فتویٰ اس سلسلے میں موجود ہے، آپ اس کی روشنی میں پاک وہند کے ان سنی حضرات کو پرکھتے تو یہ سب شرک سے آلودہ نظر آئیں گے۔

لفظ کی بات یہ ہے کہ معاملہ صرف تعویذات تک ہی نہیں، جھاڑ پھونک اور دم وغیرہ کا شغل بھی ان کے یہاں معروف رہا ہے۔ حافظ عنایت اللہ اثری صاحب کہتے ہیں کہ غربائے اہل حدیث کے امام مولانا عبد الوہاب شرکیہ دم جھاڑا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ موصوف نے حافظ صاحب کو اپنے ساتھ کام کرنے کی دعوت دی، تو ساتھ ایک شرط لگائی۔ وہ کہتے ہیں:

میں نے شرکیہ جھاڑ پھونک کے ترک کرنے کی شرط لگائی، جسے پہلے تو موصوف نے منظور فرمایا، پھر نہ معلوم کہ کیا سوچا، صاف انکار کر دیا۔ (الجسر البلیغ ص ۷۴)

غیر مقلدوں کے شیخ مولانا محمد جونا گڑھی صاحب بھی لکھتے ہیں:

مولوی عبد الوہاب صاحب اپنی زندگی میں کافی عرصہ تک اس کی اشاعت کرتے رہے، آخر بغیر توبہ کے فوت ہو گئے، ان کے بعد ان کے صاحبزادے مولوی عبدالستار کی بھی یہی روش ہے، لہذا آپ مولوی صاحب اور ان کے صاحبزادہ کے الفاظ شرک نہ ان کے حنیفہ سے پڑھیں، یہ ایک سوال قائم کر کے پھر اس کا جواب خود ہی اس طرح دیتے ہیں:

سوال :- ۱۹۰ شرکیہ الفاظ سے سانپ کتے وغیرہ کے کاٹے ہوئے پردم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب :- ۱۹۰ بہتر تو نہیں، ہاں اگر کسی مسلمان کی خیر خواہی کے لیے بوقت مجبوری ضرورت کر بھی دے تو کوئی مضائقہ نہیں (حنیفہ ماہ رمضان سنہ ۱۴۵۵ھ)

اس حنیفہ کے ٹائٹل پر مولوی عبد الوہاب کے دستخط بحیثیت مالک رسالہ اور مولوی عبدالجلیل کے دستخط بحیثیت ایڈیٹر کے ثبت ہیں، مولوی عبدالستار کے بحیثیت مفتی کے ہیں، اس صورت میں یہ تینوں اس شرکیہ دم جھاڑ پر متفق اور شریک ہیں..... مولوی عبد الوہاب صاحب تو اس سے اور کی قدم آگے ہیں اور اس طرح

کو یا ہوئے..... شرکیہ الفاظ سے غیر مسلم یا مسلم دم جھاڑا کرے تو کوئی مضائقہ نہیں..... الخ (ظل محمدی ص ۲۱)

غیر مقلدین کے پروفیسر مولوی محمد مبارک بھی لکھتے ہیں:

شرکیہ منتر سے علاج کو مولوی عبد الوہاب صاحب نے جائز لکھا ہے۔ (آئین غربائے اہل حدیث ص ۱۴)

ہمارے نزدیک جس طرح تعویذ کا کاروبار کرنا درست نہیں، اسی طرح شرکیہ الفاظ سے دم کرنا بھی جائز نہیں ہے اور جو ایسا کرتا ہے، وہ شرک کی دلدل میں جا گرتا ہے۔

کیا روضہ اطہر پر خوشبو لگا کر جانے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوتی ہے؟

سوال :- ۸ بعض دیوبندی عالموں سے سنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر جاتے وقت اچھی خوشبو لگا کر جانا چاہیے، نیز وہاں پورے ادب کے ساتھ کھڑے رہنا چاہیے۔ کیا خوشبو لگانے یا ادب سے کھڑا ہونے سے حضور کو خبر ہوتی ہے؟ آخر اس قسم کی خرافات کا کیا مطلب ہے؟

جواب:- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر پر حاضری کے کچھ آداب ہیں۔ خوشبو لگانا، صاف ستھرے کپڑے پہننا وغیرہ انہی آداب کا حصہ ہیں، یہ نہیں کہ ہمارے کپڑے کا رنگ حضور کو معلوم ہوتا ہے یا ہماری خوشبو حضور تک پہنچتی ہے۔ غیر مقلدین کے ہاں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں حیات نہیں، وہ آپ کو بے حس و حرکت میت ہی سمجھتے ہیں (لاحول ولا قوۃ)۔ پھر وہ کیوں لوگوں کو اس بات سے روکتے ہیں کہ وہاں زور زور سے بات نہ کرو یا وہاں بلند آواز سے سلام پیش نہ کرو، کیا زور سے بات کرنے اور بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام پڑھنے سے حضور کو خبر ہو جاتی ہے؟ اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ آداب کے خلاف ہے تو ہماری طرف سے یہ بات انہیں کیوں منظور نہیں۔

کاش کہ وہ اپنے پیشوا مولانا نواب وحید الرحمن حیدر آبادی کا عمل ملاحظہ کر لیتے تو انہیں اس قسم کے اعتراض کی ہمت نہ ہوتی۔ موصوف لکھتے ہیں:

”جب میں ۱۳۳۱ھ میں مدینہ طیبہ جانے لگا، اس زمانہ میں میں کھانے کے بعد خوشبودار تبا کو کا حلقہ پکا کرتا، مگر چلتے وقت میں نے خیال کیا کہ آنحضرت کے مزار مبارک پر اکثر جانا ہوگا اور شاید حقہ کی بو آپ کو ناگوار ہو، اس لیے میں نے ہمیں بچنے ہی حقہ پینا ایک قلم چھوڑ دیا، حالانکہ بیس بچیس سال سے مجھ کو اس کی عادت تھی مگر حق تعالیٰ کی قدرت اور اس کے رسول کریم کی کرامت ملاحظہ فرمائیے کہ مطلقاً مجھ کو ایذا نہ ہوئی اور کم بخت عادت اس نے بلا تکلف مجھ سے چھڑا دی۔

(وحید لغات مادہ شجر۔ حیات وحید الزماں ص ۷۵)

اب یہ بات غیر مقلدوں کے محقق محدث سورج اکل فی اکل کے مابین تائید سے پوچھ لیجیے کہ آپ کے حقہ کی بو کس طرح حضور کو پہنچتی ہے؟ اگر یہ سب باتیں

خرافات ہیں جیسا کہ آج کل کے غیر مقلدین کہتے ہیں تو پھر پیشوائے اہل حدیث ماشاء اللہ سب سے بڑے خرافاتی ٹکٹے ہیں۔ اب یہ فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے کہ آپ کا بیان صحیح ہے یا آپ کے شیخ اشیوخ کا؟ اگر آپ خرافاتی نہیں ہیں تو پھر کم از کم اپنے شیخ اشیوخ کو تو خرافاتی رہنے دیجیے، انہیں کیوں پیشوائے اہل حدیث سمجھتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا کرنے کی شرعی حیثیت

سوال :- ۹۔ علمائے دیوبند کے ہاں حضور کے وسیلے سے دعا کرنا عام ہے، وہ اکثر حضور کے وسیلے سے دعا کرتے ہیں اور تبلیغی جماعت کے ہیر مولوی انعام الحسن کی دعا کا آخری حصہ ہی یہ ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں ہماری دعا قبول فرما۔ کیا یہ سب شرک میں داخل نہیں ہے؟

جواب :- اللہ سے دعا کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانا، اسی طرح اولیاء اور صلحاء اور مقبولان الہی کا وسیلہ پکڑنا جائز ہے۔ اور جواز کے قائل صرف دیوبندی علماء نہیں، بلکہ پاک و ہند کے سنی علماء بھی اس کے جائز ہونے کی صراحت کرتے رہے ہیں اور خود اپنی دعاؤں میں وسیلہ پکڑتے رہے ہیں، ہاں! عرب کے سنی علماء کے ہاں یہ صرف ناجائز ہی نہیں بلکہ حرام بھی ہے۔ پہلے آپ پاک و ہند کے سنی علماء کا بیان پڑھیے۔

غیر مقلد پیشوا مولانا وحید الزماں صاحب حیدر آبادی اس مسئلہ کے مختلف پہلو پر گفتگو کے بعد لکھتے ہیں:

پتہ نہیں یہ بات لوگوں کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی کہ اللہ کی قربت کے حصول کے لیے اگر اعمال صالحہ کو وسیلہ بنانا قرآن اور سنت کے نصوص سے ثابت ہے، تو اس پر صالحین سے توسل کو قیاس کیوں نہیں کر لیا جاتا۔ علامہ جزری آداب دعا کے ذکر میں فرماتے ہیں کہ ان آداب میں ایک ادب یہ ہے کہ انبیاء اور صالحین کو اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے وسیلہ بنایا جائے اور ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ”یا محمد انی اتوجه بک الی ربی“ اے محمد میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف توجہ ہوتا ہوں، نواب صاحب نے فرمایا کہ حدیث حسن ہے موضوع نہیں ہے۔ امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور حدیث دعا میں آیا ہے کہ ”اللہم بمحمد بن عبدک و بموسى بنجیک“ اے اللہ آپ کے نبی محمد اور آپ سے سرکشی اور کلام کرنے والے موسیٰ کے وسیلہ سے۔ ابن الاثیر نے نہایت میں اور علامہ طاہر ثنی نے مجمع انبیا میں اسے ذکر کیا ہے، حاکم طبرانی اور بیہقی نے دعا آدم میں حدیث نقل کی ہے جس میں ہے: ”یا رب اساک لک بحق محمد“..... یہی حدیث ابن المنذر نے نقل کی ہے، اس میں ہے: ”اللہم انی اسالک بجاه محمد عندک وکرامتہ علیک“..... علامہ سبکی نے فرمایا کہ توسل مستحاش اور تشفع اچھا ہے، قسطلانی نے مزید کہا تصریح اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے اللہ کی طرف توجہ اور توجہ (یعنی بجاہ الہی کہنا) بہتر ہے، سلف اور خلف میں سے کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا، یہاں تک کہ ابن تیمیہ آئے اور انھوں نے اس کا انکار کر دیا۔ ہمارے اصحاب میں علامہ شوکانی نے فرمایا کہ توسل کے جواز کو صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص کر دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے، جیسا کہ شیخ عز الدین بن عبدالسلام کا خیال ہے، اہل علم اور اہل فضل کو اللہ کی طرف وسیلہ بنانا درحقیقت ان کے اعمال کو وسیلہ بنانا ہے۔ ایک اور جگہ فرماتے ہیں کسی نبی یا کسی ولی کے وسیلہ بنانے، اسی طرح کسی عالم کو وسیلہ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کوئی شخص قبر کی زیارت کے لیے آکر صرف اللہ سے دعا کرے اور مردے کو وسیلہ بنائے اور کہے کہ اے اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اس مرض سے شفا مل جائے اور میں اس نیک بندے کو آپ کی طرف وسیلہ پکڑتا ہوں، تو اس کے جواز میں کوئی تردد نہیں ہے۔ ہمارے مشائخ کے شیخ مولانا اسحاق صاحب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کرنا جائز ہے کہ آدمی کہے کہ اے اللہ آپ اپنے واسطے سے میری حاجت پوری فرمایا فلاں کی حرمت کے طفیل میری یہ ضرورت پوری فرمادعا و استفتاح میں ”بسمرة الشهر الحرام و مشعر العظام و قبر نبیک علیہ السلام“ کے الفاظ ضروری ہیں۔ حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ نے فتویٰ الامیان میں فرمایا کہ آدمی اس طرح کہے تو جائز ہے کہ ”اللہ انی اسالک بوسیلة فلان من الاولیاء“۔

(ہدیۃ المہدی ص: ۴۷-۴۹)

مولانا حیدر آبادی صاحب کے اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ اپنی دعا میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم، اسی طرح دوسرے انبیاء و اولیاء کا وسیلہ پکڑنا بالکل جائز ہے، اس میں سلف و خلف کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور نجم کے سب سنی علماء اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں رکھتے تھے۔ البتہ حافظ ابن تیمیہؒ نے اس پر کلام کیا ہے اور ان کی تحقیق میں یہ صحیح نہیں ہے، اگر آج کے غیر مقلد علماء کو حافظ ابن تیمیہ کی تحقیق پسند ہے تو وہ بیشک ان کی تقلید کریں؛ لیکن کم از کم اپنے ہی اکابرین پر تو شرک اور حرام کے فتوے نہ لگائیں۔ مولانا موصوف ایک اور حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے توسل کا جواز نکلتا ہے کیوں کہ اس میں یہ بھی ہے: ”توجه الیک بنیک محمد بنی الرحمة۔“ اور اس پر سب علماء متفق ہیں کہ زندہ شخصوں کا جو نیک اور صالح ہوں، توسل کرنا درست ہے اور مردوں کے ساتھ توسل کرنے میں اختلاف ہے؛ لیکن ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ وہ بھی جائز ہے۔ امام شوکانی وغیرہ محققین اہل حدیث نے اسی کو اختیار کیا ہے، جیسے ہم نے ہدیۃ المہدی میں بیان کیا ہے۔ (لغات الحدیث ص: ۴۵)

موصوف بحق فلاں یا بحر مہ فلاں کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

صحیح قول یہ ہے کہ یہ جائز ہے؛ کیوں کہ قرآن و احادیث میں حق کا لفظ آیا ہے۔ (ہدیۃ المہدی)

حدیث کے الفاظ ماقبل العباد علی اللہ کے تحت لکھتے ہیں:

اس حدیث سے ان لوگوں کا بھی رد ہوا، جو دعائیں اس طرح کہنا مکروہ جانتے ہیں: ”اسالک بحق محمد یا بحق موسیٰ یا بحق عیسیٰ“۔

(لغات الحدیث ص: ۱۰۵)

نیز موصوف مسلمانوں کی حالت زار پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے خود اس طرح دعا کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحم کر کے اس جنگ کو جلد ختم کرائے: ”بحق محمد و عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام الی یوم القیام“۔

(وحید المصائد شد۔ حیات وحید الزماں ص: ۸۰)

غیر مقلدین کی غر ب جماعت کے علمائے مولانا ابراہیم سیالکوٹی مرحوم کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ توسل بالفعل کے قائل تھے۔ فتاویٰ ستاریہ کا یہ بیان دیکھیں:

مجھے بہت تعجب اور نہایت افسوس ہے، جناب مولانا ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی پر جو زمانہ حاضریہ میں ہمارے مذہب اہل حدیث کے ایک بڑے عالم اور مفسر قرآن ہیں، آپ نے بھی اس مسئلہ توسل میں سخت لغزش کھائی ہے۔ چنانچہ تفسیر سورہ کہف کے دیباچہ میں اسمائے اصحاب کہف کے برکات کے عنوان سے یہ تحریر فرمایا ہے:

۱۔ جس کو جنات ایزدیں یا اس کے گھر میں اینٹ پتھر ماریں، تو وہ ایک کاغذ پر اصحاب کہف کے نام لکھ کر سامنے کی دیوار پر کیل سے ٹھونک دے۔

۲۔ نیز یہ کہ ان اسماء کو لکھ کر اپنے پاس رکھنے سے حاجات پیش آمدہ میں فتح و برکت نصیب ہوتی ہے اور دشمن کے شر سے امان ملتی ہے۔

۳۔ نیز یہ کہ اگر ان کو لکھ کر مال و اسباب میں رکھیں، تو وہ مال و اسباب بحکم خداوند جل شانہ آگ اور چوڑا کو کی زد سے محفوظ رہے گا۔

۴۔ نیز یہ کہ تولد کے وقت جب عورت کو دردزہ ہو یہ اسماء لکھ کر اس کی بائیں ران پر باندھ دیں، خدا کے فضل سے بچہ آسانی پیدا ہو جاوے گا اور عروہ دلت کی تکلیف سے نجات مل جائے گی۔ (فتاویٰ ستاریہ ج ۳-۴ ص: ۱۴۱)

اس پر ایک غیر مقلد عالم لکھتے ہیں: مولانا نے ان ناموں سے جو توسل بالفعل کیا ہے اور استمداد ظاہر کی ہے، جس سے ان ناموں میں نفع اور دفع ضرر کی تاثیر ظاہر ہوتی ہے، یہ کسی نص شرعی سے ثابت نہیں ہے اور نہ مولانا نے کسی دلیل سے اس کا ثبوت دیا ہے۔ قرآن مجید جس میں تو حید ہی تو حید بھری ہوئی ہے، اس کی تفسیر میں ایسے ناشروع عمل لکھنا قرآن پر ظلم ہے اور پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ اس عمل کو شروع قرار دیا ہے اور شروع سے اس کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا، بلکہ ایک دوسرے عالم کی تقلید کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

حافظ محمد صاحب کھوکھ کے ضلع فیروز پور صاحب علم و عمل اور صاحب فضیلت بزرگ تھے، آپ نے یہ عملیات ان عملیات کے مقابلہ میں لکھ کر بتلائے ہیں، جو خلاف شرع ہیں۔ (دیباچہ سورہ کہف ص ۷)

گویا مولانا موصوف نے حافظ محمد صاحب کے قول سے استدلال کیا ہے کہ یہ عمل شرع کے موافق ہے، خود ان کے پاس اس عمل کی شریعت پر کوئی دلیل نہیں ہے..... ان ناموں سے اس طرح توسل اور تبرک حاصل کرنے سے شرک اور بدعت چھپتی ہے اور اہل بدعت کے خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ کو تقویت پہنچتی ہے۔ مولانا جیسے عالم اہل حدیث کی شان سے یہ بات بہت بعید ہے، ان سے پہلے جناب مولانا نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے بھی اسماء اصحاب کہف کا یہ عمل لکھا ہے اور اس پر کسی شیخ نازی کی طرف سے ایک موضوع حدیث بھی پیش کی ہے..... نواب صاحب نے اس عمل کو مشتبہات میں داخل کیا ہے۔ پس مولانا ابراہیم صاحب کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ہنام ہونے کی وجہ سے ایسے مشتبہات سے اجتناب کر کے خالص تو حید میں مستغرق رہنا چاہیے۔

(فتاویٰ ستاریہ ج ۳-۴ ص: ۱۴۲)

یہ فیصلہ کرنا اب آپ کا کام ہے کہ غیر مقلدوں کے اکابر کی راہ درست تھی یا ان کے اصغر قرآن و حدیث کو زیادہ جاننے والے ہیں؟

مزارات انبیاء و اولیاء پر اپنے لیے دعا کا سوال کرنا

سوال :- ۱۰۔ انبیاء اور اولیاء کی قبروں پر کھڑے ہو کر ان سے اپنے لیے دعا کا سوال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیا یہ بات حدیث ”اذا مسات ابن آدم انقطع عمله“ کے خلاف نہیں؟

جواب :- مزارات انبیاء اور مقابر اولیاء کے پاس اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے ان کی شفاعت و سفارش کے ساتھ دعا کرتا ہے تو یہ ناجائز نہیں ہے۔ سوال میں پیش کی گئی حدیث عدم جواز پر نص نہیں ہے اور نہ ہی حدیث سے یہ مفہوم متبادر ہوتا ہے کہ ایسا کرنے والا شرعاً مجرم ہے۔ غیر مقلدوں کے شیخ اور جماعت کے پیشوا مولانا وحید الزماں حیدر آبادی صاحب نے اس حدیث پر جو تبصرہ کیا ہے، اسے دیکھئے اور خود فیصلہ کیجئے کہ شرعاً اس عمل کی اجازت ہے یا نہیں ہے۔ جناب نواب صاحب کی تحریر یہ ہے:

بعض اہل حدیث نے اس حدیث سے یہ دلیل لی ہے کہ اموات سے دعا کا سوال کرنا جائز نہیں۔ (یعنی یہ کہ وہ زائر کے مطلب کے حصول کے لیے اللہ سے دعا کریں نہ یہ کہ خود میت سے دعا کی جاوے کہ یہ شرک ہے؛ کیوں کہ دعا عبادت ہے اور عبادت غیر خدا کی بالاتفاق شرک ہے) کیوں کہ ان کے اعمال منقطع ہو گئے ہیں۔ حالانکہ ان کی (یعنی اہل حدیث کی) غلطی ہے۔ انبیاء اللہ اور اولیاء اللہ سے ان کی قبروں پر دعا کا سوال کر سکتے ہیں، اسی طرح خواب میں۔ اعمال کے انقطاع سے یہ مراد ہے کہ مرنے کے بعد ان کا کوئی نامہ عمل اعمال میں شریک نہیں کیا جاتا نہ یہ کہ وہ کوئی عمل ہی نہیں کر سکتے۔ احادیث صحیحہ میں انبیاء کے عمل بعد از موت ثابت ہیں اور اولیاء اللہ سے بعد از موت بھی طرح طرح کی فیوض اور برکات کا صدور متواتر منقول ہے۔ ثابت بنانی کی قبر میں جھانکا تو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔

حضرت نظام الدین اولیاء نے اپنی والدہ کی قبر پر جا کر کہا: اماں! اسی وقت پروردگار کی بارگاہ میں جاؤ اور اس ظلی سلطان کا علاج کراؤ جس نے مجھ کو تنگ کر دیا ہے۔ یہ واقعہ عصر کے وقت ہوا اور اسی روز مغرب کے بعد سلطان مارا گیا۔ (لغات الحدیث ص: ۴۶)

پیشوائے اہل حدیث کا یہ بیان آپ کے سامنے ہے، اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ قدامت اہل حدیث (باصطلاح جدید) کا موقف قرآن و حدیث کے مطابق تھا یا دور جدید کے سلفیوں کا مسلک درست ہے۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ دونوں ہی درست ہوں؛ کیوں کہ دور جدید کے سلفیوں کے ہاں یہ سب چیزیں شرک کی قبیل سے ہیں اور وہ ان واقعات کو خرافات سے یاد کرتے ہیں اور ان کے قائلین کو بے ایمان و بے عقل سمجھتے ہیں۔

کیا ضعیف احادیث قابل عمل ہوتی ہیں؟

سوال :- ۱۱۔ کیا ضعیف حدیث قابل عمل ہے؟

جواب :- غیر مقلدین کی جماعت غرباء کے شیخ اور امام مولانا مفتی عبدالستار صاحب لکھتے ہیں:

ضعیف حدیث بھی قابل عمل ہوتی ہے۔ (فتاویٰ ستاریہ ج ۳-۴ ص: ۴۷)

مجتہد احقر مولانا عبد اللہ روپڑی صاحب ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر محدثین کا اصول ہے کہ ایسے مسائل میں ضعیف حدیث پر بھی عمل درست ہے۔ (فتاویٰ اہل حدیث ج ۱-۲ ص: ۲۷۸)

آپ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

اگرچہ یہ روایت ضعیف ہے؛ لیکن علماء کا یہ مسلمہ اصول ہے، بلکہ درجہ کی ضعیف روایت پر نضائل اعمال میں عمل درست ہے۔ (ایضاح ج ۲-۳ ص: ۴۰۳)

ضعیف احادیث کے سلسلے میں اہل حدیث علماء لکھتے ہیں:

ضعیف حدیث جب کہ ترون مشہودہا بالخیر میں معمول بہ ہو، وہ امت کے ہاں مقبول ہے، جیسے..... اور ان جیسی احادیث اور بہت ہیں اور امت اس بات پر متفق ہے کہ نیند ناقض وضو ہے اور ان کی دلیل ضعیف حدیثیں ہیں، سو وہ اسناد کی حیثیت سے مردود ہیں اور معافی کے لحاظ سے مقبول ہیں۔

(فتاویٰ علماء اہل حدیث ج ۶-۷ ص: ۷۴)

غیر مقلدوں کے یہاں نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اس باب میں یہ حضرات جس روایت سے استدلال کرتے ہیں اس کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن عثمان ابن ابی شیبہ کو ضعیف سمجھا گیا ہے۔ اسی ضعیف راوی کے سہارے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کی فرضیت ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا جاتا ہے، حالانکہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کے یہاں بھی نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض اور واجب نہیں ہے۔ اب آپ ہی بتائیں

کیا ضعیف حدیث سے اس قدر اہم مسئلہ ثابت ہو سکتا ہے؟

دلچسپ بات یہ ہے کہ میں رکعات تراویح کی روایت میں بھی یہی راوی ہیں، مگر اہل حدیث کے ہاں اب اس راوی کی روایت قابل استدلال نہیں؛ کیوں کہ یہ ضعیف ہے، حالانکہ میں رکعات تراویح کو امت میں اس قدر تلقین بالقبول حاصل ہے کہ چودہ سو سالوں میں کبھی اس سے کم تراویح ادا نہ کی گئی۔ عجیب بات ہے کہ

جب قیام رمضان کی باری آتی ہے تو یہ ضعیف ہو جاتے ہیں اور جب جنازہ کی باری آتی ہے تو خاصے قوی ہو جاتے ہیں۔ اہل حدیث کے مشہور حکیم مولانا صادق سیالکوٹی کی کتاب صلوٰۃ الرسول میں ضعیف حد یثوں کی بھرمار ہے اور حد تو یہ ہے کہ انھوں نے اس کو استدلال میں پیش کرتے وقت ان کے ضعف کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ ایک اہل حدیث عالم مولانا عبدالرؤف لکھتے ہیں:

مؤلفؒ نے اس کتاب میں کئی ایک ضعیف احادیث بھی ذکر کی ہیں، ان ضعیف احادیث کی تفصیل کے لیے مندرجہ ذیل نمبر دیکھئے (موصوف نے ۸۴ مقامات کی نشاندہی کی پھر لکھا) واضح رہے کہ یہ احادیث ان احادیث کے علاوہ ہیں جو اپنے طرق و شواہد کی بناء پر صحیح یا حسن درجہ کی ہیں۔۔۔۔۔ انھوں نے ان احادیث کو ذکر کرتے وقت ان کے ضعف کی طرف اشارہ تک بھی نہیں کیا ہے اور یہ محققین کے نزدیک جائز نہیں ہے بلکہ امام مسلم نے تو ضعیف احادیث کو جاننے کے باوجود ضعف بیان نہ کرنے والے کے حق میں انتہائی سخت الفاظ استعمال کیے ہیں۔ (مقدمہ صلوٰۃ الرسول ص: ۱۰)

فقہی اختلافات امت کے لیے رحمت ہیں یا مصیبت؟

سوال :- ۱۲ مسلمانوں کے فقہی اور فروعی اختلافات امت کے لیے رحمت ہیں یا زحمت ہیں؟ انہما ربوعہ سے پہلے کیا سب لوگ ایک طریقے پر نہ تھے، اگر تھے تو پھر انہما ربوعہ کا اختلاف امت کے لیے رحمت کیسے بن گیا؟

جواب :- فقہی اور فروعی اختلافات امت کے لیے مصیبت کا سامان نہیں ہیں؛ اس لیے کہ یہ اختلافات نہ انہما ربوعہ کے پیدا کردہ ہیں اور نہ ان کے مقلدین کے وضع کردہ ہیں۔ یہ ان سے بھی بہت پہلے سے چلے آ رہے ہیں۔ حدیث کی کتابوں میں اس کے دلائل و شواہد موجود ہیں۔ یقین نہ آئے تو صرف امام ترمذی کی جامع ترمذی ملاحظہ فرمائیے، جس میں تقریباً ہر حدیث کے تحت فروعی اختلاف ملے گا اور اس میں وہ حضرات بھی ملیں گے، جو ان انہما ربوعہ سے پہلے کے ہیں اور وہ کون ہیں؟ صحابہ کرام اور تابعین عظام۔ ان کے درمیان پیدا ہونے والے فروعی اختلافات انہما ربوعہ کے یہاں آئے۔ غیر مقلدوں کے مجتہد انصر مولانا حافظ عبداللہ روپڑی صاحب لکھتے ہیں:

انہما ربوعہ کا اختلاف تقریباً ہر صحابہ کے اختلاف کے ہے۔ (فتاویٰ اہل حدیث ج: ۱- ص: ۴۲)

موصوف ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

ان کا (انہما ربوعہ) اختلاف سلف کی روش کے اندر ہے۔ (ایضاً ص: ۱۰۲)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ انہما ربوعہ سے پہلے بھی لوگ ایک ہی طریقے پر نہ تھے، فروعی مسائل میں ان کے درمیان اختلاف تھا اور ان کا یہ اختلاف امت میں کبھی انتشار کا سبب نہ بنا۔ انہما ربوعہ کے درمیان فروعی مسائل میں جو اختلاف نظر آتا ہے، وہ درحقیقت اوپر سے ہی چلا آ رہا ہے؛ اس لیے یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ صحابہ اور تابعین نے امت کو مصیبت میں ڈال دیا ہے اور ان کے درمیان انتشار پیدا کر دیا ہے، حالانکہ دین ایک تھا۔ اس قسم کی باتیں روافض تو کرتے ہیں اہل سنت والجماعت کو ہرگز زیب نہیں دیتی۔

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کیوں نہیں پڑھی جاتی؟

سوال :- ۱۳ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے تو آپ لوگ کیوں نہیں پڑھتے؟

جواب :- نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم کہیں نہیں ہے، اگر اس کا پڑھنا لازمی ہوتا تو صحابہ کرام اسے ضرور عمل میں لاتے؛ لیکن صحابہ کرام کی ایک جماعت نماز جنازہ میں قرأت فاتحہ کی تامل نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ حضور نے نماز جنازہ میں کوئی مخصوص قرأت یا خاص دعا مقرر ہی نہیں کی۔ (المغنی لابن قدامہ، ج: ۲- ص: ۴۸۵)

حضرت عبداللہ بن عمر نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے۔ (مؤطا امام مالک ص: ۲۱۰)

اسی طرح دیگر صحابہ اور تابعین کے ہاں یہ عمل نہیں ملتا؛ اس لیے اگر کوئی سورہ فاتحہ کو بہ نیت دعا پڑھے، تو اس میں کوئی حرج نہیں؛ لیکن نہ پڑھنے والوں کو برا کہنا اور ان کی نماز جنازہ کو باطل کہنا جسارت اور غلط روش ہے اور یہ صحابہ کرام سے بدگمانی پیدا کرنا ہے۔

غیر مقلدین کے ہاں مسئلہ صرف سورہ فاتحہ پڑھنے کا بھی نہیں بلکہ اس کے ساتھ قرآن کی کوئی سورہ بھی ملانی ہے اور یہ سب جبراً (بلند آواز سے) پڑھنا۔ غیر مقلد عالم اور مفتی مولانا عبدالستار صاحب دہلوی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

طریقہ یہ ہے کہ امام فوت شدہ مرد کے کندھوں کے برابر اور عورت کے وسط میں قبلہ رہ با وضو کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ کے ہمراہ رنج یدین کرتا ہو اپنے پر ہاتھ باندھ کر سورہ فاتحہ پڑھ کر پھر کوئی اور سورت یا آواز بلند پڑھے اور مقتدی آہستہ سورہ فاتحہ پڑھ کر خاموش ہو جائیں پھر امام تین یا چار تکبیروں میں درود شریف اور ادعیہ مسنونہ جبری آواز سے اور مقتدی آہستہ پڑھ کر کھڑے کھڑے امام کے ساتھ دو گین بائیں سلام پھیر دیں۔ (فتاویٰ ستاریہ، ج: ۳- ص: ۷)

جولوگ حضرت عبداللہ بن عباس کے عمل سے استدلال کرتے ہیں، وہ بھی یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ ابن عباس نے سورہ فاتحہ کے ساتھ کسی دوسری سورت کو شامل کیا تھا۔

یاد رہے کہ حدیث شریف میں نماز جنازہ آہستہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ (سنن نسائی ج: ۱- ص: ۲۸۱)

اور علامہ ناصر الدین البانی بھی اسی کے قائل ہیں کہ نماز جنازہ سری طور پر (یعنی آہستہ) پڑھے۔ (مختصر احکام الجنائز ص: ۱۳۱)

حرمین شریفین میں بھی انہما ربوعہ جنازہ آہستہ آواز سے پڑھتے ہیں۔ جولوگ نماز جنازہ جبراً پڑھانے کو سنت سمجھتے ہیں، وہ غلطی پر ہیں۔

اہل حدیث علماء لکھتے ہیں:

تعلیم کے لیے تو بلند آواز سے پڑھنا جائز ہے؛ لیکن اس کو عادت بنانا اور سنت سمجھنا صحیح نہیں۔ (الاعتصام ج: ۲۰- شمارہ: ۱۹- فتاویٰ ملائے اہل حدیث)

قرآن کریم کا ادب و احترام اور غیر مقلدین

سوال :- ۱۴ اگر کسی جگہ قرآن کریم کی آیات والے کتبے ہوں یا وہاں قرآن اور حدیث کی کتابیں سامنے نظر آتی ہوں، تو وہاں زوجین کا آپس میں اختلاف جائز ہے یا نہیں؟

جواب :- قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام مبارک ہے، اس کے ادب کا تقاضا ہے کہ اس کے سامنے ہوتے ہوئے ایسے عمل سے گریز کیا جائے جس سے قرآن کی بے ادبی کا اندیشہ پیدا ہوتا ہو۔ مفسر قرآن حضرت علامہ آلوسی بغدادی لکھتے ہیں:

وان لا یجامع بحضرتہ فان ارادہ سترہ (روح المعانی)

قرآن کریم کے احترام کا تقاضا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے جماع نہ کرنا چاہیے اور اگر یہ عمل کرنا ہو تو پھر قرآن کو مستور کر دے۔ (یعنی کپڑے وغیرہ سے ڈھانک دے یا اسے وہاں سے ہٹا دے)

البتہ غیر مقلدین کے ہاں ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ معروف غیر مقلد عالم مولانا زبیر علی زئی سے پوچھا گیا کہ جس کمرے میں قرآن یا اسلامی کتب ہوں یا دیوار پر قرآنی آیات آویزاں ہوں کیا اس میں زوجین ہم بستر ہو سکتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟

موصوف نے اس کے جواب میں لکھا:

یہ جائز ہے؛ کیونکہ اس کے ناجائز ہونے پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ (ماہنامہ شہادت اسلام آبداکتوبر ۱۹۹۹ء ص: ۴۰)

غیر مقلدین کا یہ فتویٰ اہم قرآن کے خلاف ہے۔

رکوع میں شامل ہونے والے کی رکعت کا مسئلہ

سوال :- ۱۵ اگر کوئی شخص امام کے ساتھ رکوع میں آ کر شامل ہو گیا تو کیا اس کی یہ رکعت شمار ہو جائے گی، جب کہ حدیث ہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی؟

جواب :- اگر کوئی شخص امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جائے تو اس کی یہ رکعت شمار ہوگی، رہی حدیث تو یہ منفرد کے لیے ہے مقتدی کے لیے نہیں۔ جامع ترمذی میں امام احمد شین حضرت امام احمد بن حنبل کا یہ فتویٰ موجود ہے۔ اگر یہ بات غلط ہوتی تو بعد میں آنے والے سب محدثین بیک آواز آپ کے خلاف ہو جاتے؛ لیکن ان میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ آپ کا فتویٰ غلط ہے اور جو آپ کے فتویٰ پر عمل کرے گا اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ یہ غیر مقلدین ہیں جو اس حدیث کو پڑھ کر نمازیوں کی نماز کو باطل قرار دیتے، ذرا بھی نہیں شرماتے۔ سنن ابی داؤد میں امام بخاری کے استاد الامام سلفی ابن عیینہ (۱۹۷ھ) کا بھی فیصلہ مروی ہے کہ یہ حدیث اکیلے نمازی کے بارے میں ہے، امام کے پیچھے پڑھنے والے کے متعلق نہیں ہے۔

سعودی عرب کے معروف (بقول غیر مقلدین) سلفی عالم ساحتہ اشبح عبدالعزیز بن باز ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

جب کوئی مسلم شخص مسجد میں اس وقت داخل ہوا کہ امام اور مقتدی حالت رکوع میں تھے، تو اس کے لیے مشروع یہ ہے کہ وہ تکبیریں کہتا ہو امام کے ساتھ شامل ہو جائے، تکبیر تحریمہ جسے کھڑے ہو کر اور پھر رکوع کی تکبیر رکوع کے لیے جھکتے ہوئے کہے اور ایسی صورت میں وقت کی تنگی کی وجہ سے دعا شاء کا پڑھنا مشروع نہیں ہے، نہ ہی سورہ فاتحہ کی حاجت ہے اور اس کی یہ رکعت مکمل شمار کی جائے گی، جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابی بکرہ ثقفی سے روایت ہے کہ ایک دن وہ مسجد میں اس وقت داخل ہوئے جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حالت رکوع میں تھے، چنانچہ انھوں نے صف کے باہر ہی سے رکوع کر لیا اور پھر صف میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: زاک اللہ حرصاً ولا تعد اللہ تمہاری حرص کو یادہ کرے دوبارہ ایسا نہ کرنا۔ اور انہیں اس رکعت کی قضا کا حکم نہیں دیا۔ یہ حدیث مدرک رکوع کو مدرک رکعت کا جو اثر اہم کرتی ہے۔ (عجلہ البلاغ ممبئی مارچ ۱۹۹۷ء ص: ۵۹۔ زیر ادارت مولانا مختار احمد سلفی)

غیر مقلدین کی جماعت غرباء کے مولانا مفتی عبدالقہار صاحب ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

رکوع میں مل جانے سے شرعاً نماز ہو جاتی ہے۔ سورہ فاتحہ قیام میں فرض ہے، نہ رکوع میں۔ دلائل کتب حدیث میں موجود ہیں، جن میں سے ایک روایت یہ بھی ہے: "اذا جئتم الى الصلوة ونحن سجود فاسجدوا ولا تعدوها شيئاً ومن ادرك الركعة ادرك الصلوة وفي رواية من ادرك ركعة مع الامام قبل ان يقيم صليبه فقد ادركها۔" (ابوداؤد، دارقطنی، بیہقی، تلخیص ابن خزیمہ) (فتاویٰ ستاریہ، ج: ۳- ص: ۱۱۵)

البتہ غیر مقلدوں کے ہفت روزہ اہل حدیث کے ۲ مئی ۹۷ء (جلد ۲۸ ش ۱۶) میں سعودی مفتی اعظم کے اس بیان کی تردید کرتے ہوئے لکھا گیا ہے:

ہم ہفت روزہ اہل حدیث کے ذریعے قارئین کو حقیقت حال سے روشناس کرنا فرض سمجھتے ہیں کہ مدرک رکوع کا مدرک رکعت ہونے کا موقف یکطرفہ اور اس سے متعلقہ دوسری احادیث کے سراسر خلاف ہے۔۔۔۔۔ اس کے جواز کا فتویٰ قرین انصاف نہیں ہو سکتا اور پھر دوسری کئی ایک روایات۔ جن میں سورہ فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز نہ ہونے کا واضح بیان ہے۔ یہی مخالفت ہے۔ پس حقیقی اور سچی بات یہی ہے کہ سورہ فاتحہ نہ پڑھنے والے کی قطعاً نماز نہیں ہوتی اور رکوع میں جماعت کے ساتھ ملنے والا نماز کے ایک اہم فرض سورہ فاتحہ اور نماز کے ایک اہم قیام کا بھی تارک ہے، پس اس شخص کی وہ رکعت ہرگز نہیں ہوتی۔

(ہفت روزہ اہل حدیث ۲ مئی ۹۷ء)

اس کا حاصل یہ ہے کہ سعودی عرب اور دیگر عرب ممالک میں جولوگ امام احمد کے بیان کو حق جانتے ہیں اور شیخ بن باز کے فتویٰ پر عمل کرتے ہیں، ان میں سے کسی کی بھی نماز قطعاً نہیں ہو رہی ہے، وہ نماز پڑھنے کے باوجود بے نمازی ہیں اور اپہر مستزاد یہ کہ حدیث جانتے ہوئے بھی اس کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ جماعت غربائے اہل حدیث کے امام مولانا عبدالستار صاحب کے فتویٰ میں ایک سوال کے جواب میں ہے:

ہاں! مدرک رکوع مدرک رکعت ہے۔ (فتاویٰ ستاریہ ج: ۱- ص: ۵۳)

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ تمام اہل علم کا یہی مذہب ہے کہ مدرک رکوع مدرک رکعت ہے۔ الہام انکہ احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ و اسلاف امت سے یہ بات بخوبی ثابت ہو چکی کہ مدرک رکوع مدرک رکعت ہے۔ (ایضاً ص: ۷۷)

اگر کوئی اس کی تردید کرے تو اسے چاہیے ہم کو نمبر وار ایک دوحہ حدیث ہی ایسی بتائیں، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاف یہ الفاظ موجود ہوں کہ مدرک رکوع مدرک رکعت نہیں ہے۔ (ایضاً ص: ۵۸)

اب یہ فیصلہ کرنا غیر مقلدوں کا کام ہے کہ وہ اس بارے میں ایک دوحہ حدیث انہیں پیش کریں اور یہ بات ان کے غور کرنے کے لائق ہے کہ اب وہ عرب کے سلفی حضرات اور اپنے اکابر اہل حدیث کی بات مانتے ہیں یا موجودہ دور کے اہل حدیث ان کے یہاں زیادہ لائق اعتبار و اعتماد ہیں اور وہ اپنے بڑوں سے زیادہ حدیث کے عالم سمجھے گئے ہیں۔

کافر کا ذبیحہ

سوال :- ۱۶ اگر کسی کافر نے حلال جانور ذبح کیا ہو تو کیا اس جانور کا گوشت حلال ہوگا یا حرام ہوگا؟ ایک غیر مقلد عالم فرماتے ہیں کہ دیوبند کے ممتاز عالم مولانا محمود حسن صاحب نے اس گوشت کی حلت کا فتویٰ صادر فرمایا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب :- کافر کا ذبیحہ حرام ہے حلال نہیں۔ اور یہ بات غلط ہے کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمہ اللہ نے اس کے حلال ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔ اگر آپ کے پاس اس کا کوئی حوالہ ہو تو ارسال فرماویں۔ ممکن ہے کہ آپ کو مغالطہ لگا ہو، یہ فتویٰ مولانا محمود حسن کا نہیں بلکہ مولانا ناصر بن حسن کا ہے جو غیر مقلد پیشوا اور ان کے نواب ہیں۔ اور انھوں نے اسے علامہ شوکانی سے نقل کیا ہے۔ آپ اپنی مشہور کتاب دلیل الطالب علی ارجح المطالب میں لکھتے ہیں:

قال الشوکانی والحق ان ذبیحۃ الکافر حلال (دلیل ص: ۴۰۳)

امام شافعی کہتے ہیں کہ حق بات یہی ہے کہ کافر کا ذبح حلال ہے۔

سویہ بات دیوبند کے ممتاز عالم کی نہیں بلکہ غیر مقلدوں کے پیشوا اور نواب صاحبان کی ہے۔

تبرک آثار الصالحین کی حیثیت

سوال :- ۱۷ صوفیہ کے یہاں بزرگوں کے آثار سے تبرک کا جو رواج چل پڑا ہے کیا قرآن و سنت میں اس کی حیثیت ہے؟

جواب :- حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سر کے بال اس طرح حلق کراتے ہوئے دیکھا کہ آپ کے صحابہ نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا اور ان میں سے ہر ایک آپ کے بال مبارک کو اس طرح حفاظت سے لیتے تھے کہ ایک بال بھی نیچے گرنے نہ دیتے تھے۔

رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والحلاق یحلقہ وقد اطاف بہ اصحابہ فما یریدون ان تقع شعرة الا فی ید رجل۔

(صحیح مسلم ج ۲- ص ۲۵۶)

ظاہر ہے کہ صحابہ نے یہ بال مبارک اس لیے جمع نہیں کیے تھے کہ اسے صرف سجا کر رکھنا ہے۔ صحابہ کا آپ کے بال مبارک کا اس محبت و عقیدت سے لینا بتا رہا ہے کہ وہ اس سے برکت حاصل کرنے کے بھی متنبی رہے ہیں، حتیٰ کہ حضرت انسؓ کی والدہ محترمہ حضرت ام سلیم نے آپ کے نہ صرف بال مبارک جمع کیے، بلکہ آپ کے پسینہ مبارک کو بھی حنوط میں ملا کر محفوظ کیا تھا اور حضرت انسؓ نے بوقت وفات اس حنوط کو اپنے کفن و بدن میں لگانے کی وصیت کی تھی۔ حضرت ام سلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام کے لیے ایک چڑے کا بستر بچھا دیا کرتی تھیں اور (جب آپ ان کے گھر تشریف لے جاتے) وہاں اس پر آرام فرماتے تھے:

فماذا قام اخذت من عرقہ وشعرہ فجمعته فی قارورة ثم جعلته فی سکت فلما حضر انس اوصی ان يجعل فی حنوطہ من ذلك

السک۔ (صحیح بخاری ج ۲- ص ۹۲۹، صحیح مسلم ج ۲- ص ۲۵۷)

ترجمہ: جب آپ سو کر اٹھتے تو (اس بستر سے) آپ کا پسینہ اور بال (جو سر یا داڑھی وغیرہ کا ٹوٹ جایا کرتا تھا) اسے جمع کر لیتیں اور ایک شیشی میں محفوظ رکھتیں پھر اسے حنوط میں ملا دیتیں، جب حضرت انسؓ کی وفات کا وقت قریب آیا، تو آپ نے وصیت کی کہ ان کے حنوط میں اس خوشبو میں سے (جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ مبارک تھا) ملا یا جائے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آثار سے برکت حاصل کرنا صحابہ کے یہاں معروف رہا ہے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کے عمامہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بال مبارک رکھا ہوا تھا اور انھوں نے اس کی برکات کا مشاہدہ کیا تھا۔

حضرت امیر معاویہؓ کے پاس آثار نبویؐ میں ایک کرنا ناخن اور موئے مبارک تھے۔ زندگی بھر برکت کے لیے اس کو تر جان بنائے رہے، مرتے وقت وصیت کرتے گئے کہ مجھ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کرم مرحمت فرمایا تھا، وہ اسی دن کے لیے محفوظ رکھا ہے اور ناخن اور موئے مبارک شیشہ میں محفوظ ہیں، اس کرم میں مجھے کتنا ناناور ناخن اور موئے مبارک آنکھوں اور منہ کے اندر بھر دینا، شاید خدا اس کی برکت سے مغفرت فرمادے۔

(سیر الصحابہ ج ۶- ص ۱۳۳، بحوالہ الاستیعاب ج ۱- ص ۲۶۲، رلا بن عبدالمبرک)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت بدیل بن ورقاء کے پاس آپ کا ایک خط مبارک تھا، جس کو آپ بہت عزیز رکھتے تھے، جب ان کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو انھوں نے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ اس خط کی بہت زیادہ حفاظت کرنا جب تک یہ خط مبارک تمہارے پاس رہے گا تم لوگ خیر و برکت پاتے رہو گے۔

یا بنی هذا کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استوصوا بہ فلن تنالوا بخیر ما دام فیکم۔ (اسد الغابہ ج ۱- ص ۳۶۰)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرات صحابہ نے خود آپ کی زندگی میں بھی اور آپ کے بعد بھی تبرکات نبویؐ سے فیض پایا ہے۔ غیر مقلد پیشوا مولانا وحید الرحمن صاحب حیدر آبادی کہتے ہیں کہ صحابہ و تابعین نے انبیاء کے تبرکات سے برکتیں لی ہیں اور اولیاء اللہ کی قبور سے برکات ملتی ہیں اور یہ تو حید کے منافی نہیں ہیں، آپ لکھتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کل چیزیں تبرک تھیں اور صحابہ و تابعین نے ان سے برکت لی ہے اور اسی حکم میں ہیں آثار صالحین اور قبور اولیاء اللہ اور جن لوگوں نے ان سے برکت لینے کو شرک کہا ہے، انھوں نے صریح غلطی کی ہے۔ (لغات الحمد ج ۱- ص ۵۲)

مولانا موصوف ایک اور حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ نکلا کہ آثار صالحین سے برکت لینا جائز ہے۔ (ایضاً ج ۲- ص ۲۱۵)

سو تبرک آثار صالحین بدعت نہیں بلکہ یہ شروع سے چلا آرہا ہے اور صحابہ و تابعین کے ہاں یہ معروف رہا ہے۔

ایک رات میں گیارہ رکعت سے زیادہ نوافل پڑھنا بدعت نہیں

سوال :- ۱۸ یہ کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے چالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی تھی۔

۱- ساری رات عبادت میں گزار دینا کہیں بدعت تو نہیں؟

۲- ایک رات میں گیارہ رکعت سے زیادہ نوافل پڑھنا بدعت نہیں ہے؟

۳- کیا انسان پر زندگی کے دوسرے حقوق بھی ہیں یا نہیں؟

۴- بزرگوں کے معمولات میں یہ جو لکھا ہے کہ وہ رات کو سو سو رکعات پڑھا کرتے تھے کیا یہ باتیں بدعت میں داخل نہیں؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس طرح ساری ساری رات نماز پڑھی ہے؟

جواب :- بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات میں سو سو رکعات نوافل ادا نہیں فرمائے؛ لیکن آپ نے یہ کہیں نہیں کہا کہ جس نے آٹھ رکعات تجدید سے زیادہ نماز پڑھی اس نے بدعت کا ارتکاب کیا، یا کسی صحابی نے یہ بات کہی ہو کہ جو آٹھ سے زیادہ نوافل کا اہتمام کرتا ہے وہ سنت کے خلاف کرتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت نوافل کی ترغیب دی ہے اور اس کے فضاہل بھی بتائے ہیں؛ اسی لیے اکابرین امت نے اس کا اہتمام کیا اور نوافل کی کثرت رکھی تھی۔ ہاں! کبھی بکھارایا بھی ہوا کہ آپ پوری رات نماز پڑھتے رہے اور قیام و رکوع و سجود میں آپ کا سارا وقت گزرتا رہا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ بڑے عبادت گزار صحابی تھے، حضرت نافعؓ کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ رات بھر نمازیں پڑھتے تھے، صبح کے قریب مجھ سے پوچھتے کہ سپید صبح نمودار ہوا؟ اگر میں ہاں کہتا تو پھر طلوع و حرکت استغفار میں مشغول ہو جاتے اور اگر نہیں کہتا تو بدستور نماز میں مشغول رہتے۔ (الاصابہ ج ۳- ص ۱۰۹)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ بھی دن رات میں ہزار رکعات پڑھا کرتے تھے اور حضرت علیؓ مرتضیٰ کا بھی یہ معمول رہا تھا:

و کذلک یروی عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ و یروی عن عبد اللہ بن عباس انه کان یصلی فی الیوم والليلة الف رکعة رواہ الاوزاعی وغیرہ یروی انه کان یصلی بالنهار منها اربع مائة رکعة۔ (کتاب التہجد ص: ۲۱۲، للمحدث عبدالحق الاشبیلی ۵۱۸ھ المتوفی)

سیدنا حضرت ابوہریرہؓ کے گھر میں ساری رات عبادت کا عمل جاری رہتا تھا، گھر والے باری باری اٹھ کر ایک ایک تہائی شب میں نماز پڑھتے تھے۔

(سیر الصحابہ ج ۳- ص ۶۳)

حضرت اسود بن یزید (۷۷ھ) تابعی ہیں، حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں زیادہ رہے ہیں۔ حافظ ذہبیؒ نے نقل کیا ہے کہ آپ روزانہ سات سو نوافل پڑھا کرتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱- ص ۶۰)

حضرت علی بن حسین المعروف امام زین العابدینؓ کی زندگی کا بیشتر حصہ عبادت میں گزرتا تھا، دن رات میں ایک ہزار رکعتیں پڑھتے تھے اور آخر دم تک اس کا معمول رہا، اس عبادت کی وجہ سے ان کا لقب ہی زین العابدین ہو گیا تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱- ص ۶۵)

یہ قیام لیل سفر و حضر کسی حالت میں ناغہ نہ ہوتا تھا۔ (مختصر صفۃ الصوفیہ ص ۱۳۷- لا بن جوزی)

حضرت ابوہریرہؓ کے داماد افضل التابعین حضرت سعید بن المسیبؓ نے پچاس سال عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی ہے۔ صلی سعید بن المسیب الغدلا بوضوء العشاء خمسين سنة۔ (صفۃ الصوفیہ ج ۲- ص ۵۷)

مگر کبھی حضرت ابوہریرہؓ نے یہ نہیں کہا کہ آپ کا یہ عمل بدعت ہے اور نہ کبھی آپ نے ان پر دوسرے حقوق کے ادا نہ کرنے کا الزام لگایا۔

حضرت ابوہریرہؓ کے شاگرد امام وہب بن منبہ (۱۱۳ھ) جنھیں امام ذہبیؒ نے حافظ الحدیث کا سہری لقب دیا ہے، آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

ثنی بن صباح کہتے ہیں کہ عموماً میں سال تک وہب نے فجر کی نماز عشاء کے وضو کے ساتھ پڑھی ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱- ص ۹۸، طبقات ابن سعد ص ۳۹۶)

حضرت ابوبکر بن محمد بن عمرو (۱۲۰ھ) کی بیوی کبھی ہیں کہ آپ چالیس سال تک راتوں کو بستر کے قریب نہیں گئے۔ قال ما مضطجع ابوبکر علی فراشہ منذ اربعین سنة باللیل۔ (صفۃ الصوفیہ ج ۲- ص ۹۲)

شیخ الاسلام امام سلیمان بن طرخان التیمی (۱۳۳ھ) کے بارے میں معترف کہتے ہیں کہ آپ نے چالیس سال عشاء کے وضو کے ساتھ صبح کی نماز ادا کی ہے۔

(سیر الصحابہ ج ۷- ص ۸۹۱)

حضرت عبد اللہ بن عون (۱۵۱ھ) اپنے وقت کے محدث تھے، بڑے بڑے محدثین سے علم حدیث لیا تھا، ان کا معمول ہر رات میں کئی سو رکعتیں پڑھنے کا تھا۔

(طبقات ابن سعد سیر الصحابہ ج ۷- ص ۲۶۳، ۱۲ھ)

مدینہ منورہ کے مشہور زہد حضرت مصعب بن ثابت (۲۵۷ھ) صائم الدھر تھے اور دن رات میں ہزار رکعات ادا کرتے تھے: کان یصلی فی کل یوم وليلة الف رکعة ویصوم الدھر۔ (صفۃ الصوفیہ ج ۲- ص ۱۹۹)

حضرت امام حسین بن فضل انیس پوری (۲۸۲ھ) جنھیں علامہ سیوطیؒ امام عصرہؒ فی معانی القرآن کا خطاب دیتے ہیں، دن رات میں چھ سو رکعات ادا کرتے تھے۔ آپ لکھتے ہیں: وکان من العلماء الکبار العابدین برکع کل یوم وليلة ست مائة رکعة وقبرہ هناك مشہور یزار۔ (طبقات المفسرین ص ۳۸)

محدث جلیل حافظ عبدالحق بن عبد الرحمن الاشبیلی (۵۸۱ھ) حضرت جنید بغدادیؒ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ آپ روزانہ چار سو رکعت پڑھتے تھے: کما ان صلی الحنید کل یوم اربع مائة رکعة۔ (کتاب التجرد ص ۲۱۷)

حضرت عبد الرحمن بن اسود کا معمول چھ سو رکعات پڑھنے کا تھا:

کان عبد الرحمن یصلی کل یوم وليلة ست مائة رکعة ویروی الف رکعة۔ (ایضاً ص ۲۱۸)

حضرت کرز بن حارث کا معمول بھی یہی تھا یعنی ہزار رکعات کا۔ (ایضاً ص ۲۳۱)

کھمس بن حسن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ دن رات میں ہزار رکعت پڑھتے تھے، جب عمر بڑھ گئی اور کمزور ہو گئے تو پھر پانچ سو رکعت پڑھا کرتے تھے اور اس پر رویا کرتے تھے کہ میں ہزار نہیں پڑھ سکا:

”وکان کھمس بن الحسن یصلی کل یوم وليلة الف رکعة فلما کبر وضعف اقتصر علی خمس مائة وکان یمکی ایضا ویقول ذھب نصف عملي“ (کتاب التجرد ص ۲۱۲، صفۃ الصوفیہ ج ۲- ص ۲۱۲، لا بن جوزی)

حضرت مرثد بن شراحیل کا بھی یہی معمول تھا، عمر کے بڑھ جانے پر پھر آپ چار سو رکعات پڑھنے لگے: ”و کذلک کان مرثد بن شراحیل کان یصلی کل یوم وليلة الف رکعة فلما کبر وتبدن کان یصلی کل یوم اربع مائة رکعة“ (ایضاً صفۃ الصوفیہ ج ۳- ص ۲۱، لا بن جوزی)

اسی طرح بہت سے صلحاء کا یہ معمول رہا ہے: ”و کذلک بعض الصالحین یصلی کذلک الف رکعة۔ (ایضاً)

حضرات محدثین اور اکابرین امت کے ان معمولات سے پتہ چلتا ہے کہ شریعت نے نوافل کی کوئی تعداد مقرر نہیں کی کہ اس سے زیادہ پڑھنا خلاف سنت سمجھا جائے، اب جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور نے ایک رات میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھی؛ اس لیے اس پر زیادتی کرنا بدعت ہے، تو ان کا یہ بیان خود زیادتی پر مبنی ہے۔ اگر اس بات میں ڈر بھر بھی وزن ہوتا تو صحابہ کرامؓ کی یہ بدعی عمل اختیار کر سکتے تھے؟ اور کیا اعیان اسلام کی ایک بڑی تعداد اس بدعت پر جان چھڑک سکتی تھی۔

جو غیر مقلد علماء اس قسم کی بیان بازی کرتے رہتے ہیں، انہیں اپنے پیشوا مولانا وحید الرحمنؒ کا یہ بیان پڑھ لینا چاہیے جس میں انھوں نے نکل کر کہا ہے کہ یہ بدعت نہیں ہے۔ مولانا وحید الرحمن حیدر آبادی کہتے ہیں:

بعض صلحاء امت اور بزرگان سلف کے بارے میں جو روایات مذکور ہیں کہ وہ شب میں سو سو دو سو نفل رکعتیں پڑھا کرتے تھے تو یہ بدعت اس وجہ سے نہیں کہ نفل نماز آنحضرتؐ سے..... بلے باقید و بلا تعین ثابت ہے یعنی نوافل کے لیے آپ نے کوئی تعداد مقرر نہیں فرمائی ہے۔ (لغات ج ۲- ص ۹۰)

حضرت امام ابوحنیفہؒ یا اسی طرح دوسرے اکابرین کے بارے میں یہ جو لکھا ہے کہ انھوں نے چالیس پچاس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی اس میں یہ الفاظ کہیں نہیں ملتے کہ ان بزرگوں کا یہ عمل متواتر رہا تھا، یعنی ایک رات بھی ان کی ایسی نہ تھی جس میں روزانہ کا یہ معمول ترک ہو گیا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان بزرگوں نے اپنی پوری عمر میں چالیس پچاس سال عشاء کے وضو سے نماز فجر پڑھی ہوں۔ جس طرح حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہؒ کہا کرتے تھے کہ آپ نے آزادی ہند میں بارہ سال جیل کاٹی ہے، کوئی شخص اس کا یہ مطلب لے لے کہ یہ بارہ سال متواتر جیل ہی میں رہے تو یہ درست نہیں، اسی طرح ان بزرگوں کا یہ معمول عمر کے پھیلاؤ میں تو ہو سکتا ہے؛ لیکن متواتر ایسا ہوا ہو یہ ہماری نظر سے کہیں نہیں گزرا۔

محدثین کے ہاں اعمال میں وسعت ہے اور انہیں جاہل بتانا شرارت ہے۔

سوال :- ۱۹ نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کی جب صحیح حدیثیں موجود ہیں، پھر حنفی لوگ اس پر عمل کیوں نہیں کرتے؟

جواب :- نماز میں ہاتھ باندھنے کی مختلف کیفیات ہیں اور ان پر روایات موجود ہیں تاہم یہ بات درست نہیں کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیثیں صحیح ہیں۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے جس عمل کو سنت کہا ہے وہ تحت اسمرہ ناف کے نیچے باندھنا ہے۔ (رواہ الامام احمدؒ و ابوداؤد و ہذا ینصرف الی سنة النبی صلی اللہ علیہ وسلم) (المغنی ج ۱- ص ۲۷۲)

امام ترمذی نے اہل علم صحابہ اور تابعین کا جو عمل نقل کیا ہے، وہ یہ ہے کہ بعض حضرات ناف کے اوپر باندھتے تھے اور بعض ناف کے نیچے۔ امام ترمذی اس پر لکھتے ہیں کہ محدثین کے یہاں اس میں وسعت ہے، یعنی اگر چاہے تو ناف کے اوپر باندھ لے، چاہے تو ناف کے نیچے۔ البتہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کا معمول صدر اہل میں معروف نہ تھا۔ غیر مقلد علماء نے اسے تسلیم کیا ہے۔ فتاویٰ علمائے حدیث میں ہے:

”سینے پر ہاتھ باندھنے کی حدیث نہ ائمہ اربعہ کو پہنچی نہ ہی صحابہ و تابعین کے زمانہ میں اس پر عمل تھا، تاہم یہ عمل نہ ہوتا تنبیخ کی دلیل نہیں۔ (فتاویٰ ج ۳- ص ۹۲) اس میں یہ بات مانی گئی ہے کہ صدر اہل میں یہ عمل عام نہ تھا اور ائمہ اربعہ کے دور میں بھی اس حدیث کی کہیں اشاعت نہ ہوئی، افسوس کہ جس عمل کا یہ حال ہے غیر مقلدین نہ صرف یہ کہ اس پر اصرار کرتے ہیں، بلکہ دوسروں کو حدیث کا مخالف قرار دے کر مذاق بھی کرتے ہیں۔ غیر مقلدوں کے مولانا محمد ضیف فریدی کوئی صاحب کا یہ بیان کیا حق کی آواز ہے، اس کا فیصلہ غیر مقلد علماء کریں، وہ لکھتے ہیں:

”حنفیوں کی نمازیں ہوتی، کیوں کہ یہ آئمہ متنازل پر ہاتھ باندھتے ہیں۔ (قول حق ص ۲۱) غیر مقلدوں کے مرد و اناء عالم مولانا فیض عالم تلمی کا کہنا ہے کہ (تحت السرة) ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا عمل حنفیوں نے صرف اس لیے اپنا لیا کہ اس سے ان کا ازار بند محفوظ رہے، اگر سینہ پر باندھیں تو ان کا ازار بند ٹکڑا جاتا ہے۔ (دیکھئے: اختلاف امت کا المیہ ص: ۷۸) استغفر اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

امام ترمذی نے اس عمل کے جن دونوں پہلوؤں کا ذکر کیا ہے، آپ نے تحت السرة اور فوق السرة کہا ہے، تحت الصدر یا فوق الصدر نہیں کہا؛ آپ لکھتے ہیں:

والمعمل علی هذا عند اهل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم و التابعین ومن بعدهم یرون ان یضع الرجل یمینہ علی شمالہ فی الصلوۃ و رای بعضهم ان یضعها فوق السرة و رای بعضهم ان یضعهما تحت السرة و کل ذلك واسع عندهم.

(جامع ترمذی ج ۱- ص: ۳۳)

اس سے محدثین کے مزاج کا پتہ چلتا ہے کہ اگر صحابہ کے یہاں دو طرح کے عمل جاری ہوں تو وہ اسے کسی طرح لائق نفرت نہیں سمجھتے اور نہ اس پر تشدد کی راہ اپناتے ہیں، انہیں پتہ ہے کہ اسلام کا مزاج اس سلسلے میں وسعت کا ہے، مگر افسوس صد افسوس کہ غیر مقلدین علماء حضرات محدثین کے اس مزاج کو جہالت کہتے ہیں۔ غیر مقلد پروفیسر حافظ عبد اللہ بھالپوری کہتے ہیں کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے والے زندہ لوگ ہوتے ہیں جب کہ ناف کے نیچے باندھنے والے مرے ہوئے لوگ ہوتے ہیں۔ ان کا بیان دیکھئے:

آپ نے دیکھا ہوگا کہ کوئی ڈھیلا اہل حدیث جیسے کوئی مر رہا ہے، ہاتھ نیچے آ جائیں گے اور اگر کوئی زندہ ہوتا رہے ہو، اس سے پوچھو کہ ہاتھ کہاں باندھے جاتے ہیں، یوں کہہ گا گئی ہاتھ سینے پر باندھے جاتے ہیں اور جب وہ سو رہا ہو ڈھیلا ہو رہا ہے تو ہاتھ یہاں آ جائیں گے اور اگر وہ بالکل ٹہنی ہو تو نیچے بالکل چلے جائیں گے۔۔۔ پھر آپ کہیں گے کہ جی سب ٹھیک ہے اسے کیا کہیں گے؟ یہ کوئی علمی جملہ ہے یا یہ جملہ جہالت کا ہے۔ (خطبات بھالپوری، ص: ۳۳۶) کسی نے آج تک یہ نہیں کہا کہ جو سینہ پر ہاتھ باندھتا ہے اس کی نمازیں ہوتی اور نہ کسی نے اس عمل کا مذاق اڑایا ہے، یہ غیر مقلدین ہیں، جو بات بات پر حدیث شریف سے یہ لکھوا ڈالتے ہیں اور اہل سنت کی ضد میں سنت رسول کو مذاق کا نشانہ بناتے، ذرا بھی حیا نہیں آتی، اس راہ میں اگر حضرات محدثین آتے ہیں تو انہیں بھی جاہل بتاتے اور کوئی خوف خدا نہیں آتا۔

مسئلہ حیات النبی اور غیر مقلدین علماء

سوال:- ۲۰ حضور ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں یا نہیں اور اگر کوئی زائر آپ کی قبر پر آ کر سلام کہتا ہے تو اسے آپ سنتے ہیں یا نہیں؟

جواب:- آنحضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں باحیات ہیں اور جو شخص آپ کی قبر پر آ کر سلام کہتا ہے، آپ اس کے سلام کو سنتے بھی ہیں، یہ عقیدہ کوئی نیا نہیں، شروع سے چلا آرہا ہے، اس پر متقدمین نے مستقل کتابیں لکھی ہیں اور احادیث اور اجماع امت سے اس کا ثبوت پیش کیا ہے۔ محقق احقر حضرت علامہ خالد محمود صاحب دامت برکاتہم کی اس موضوع پر ضخیم تصنیف ”مقام حیات“ قابل مطالعہ ہے، جس میں بدلائل اس مسئلہ کو واضح کیا گیا ہے اور ہر شبہات کے جوابات دینے لگے ہیں۔

غیر مقلدوں کو یہ بات تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ اور ان کے تلمیذ رشید حافظ ابن قیم بھی حیات انبیاء کے قائل ہیں، اس گروہ کے خواجہ محمد قاسم اپنی کتاب کراچی کا عثمانی مذہب (ص: ۵۳) میں لکھتے ہیں:

یہ استاد شاگرد ایک حد تک سماع موتی کے قائل تھے، مگر جس طرح وہ علم کے پہاڑ تھے دلائل کی رو سے ان کی یہ بات اتنی وزنی اور مضبوط نہیں، یہ ان کی اجتہادی خطا ہے کو ان کا عقیدہ تھا کہ میت سلام اور تلاوت سن لیتی ہے، مگر وہ ان سے کسی قسم کی استمداد کو جائز نہیں رکھتے تھے۔۔۔ (موصوف نے ڈاکٹر عثمانی سے نقل کیا ہے کہ) ”التوسل والوسیلہ“ میں حافظ ابن تیمیہ کا بیان ہے:

و كذلك الانبياء والصالحون وان كانوا احياء في قبورهم وان قدر انهم يدعون للاحياء وان يوردت به آثار فليس لاحد ان يطلب منهم ذلك ولم يفعل ذلك احد من السلف.

اسی طرح انبیاء اور صالحین اگرچہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور زندوں کے لیے دعائیں بھی کرتے ہیں، اس سلسلہ میں کچھ روایتیں بھی آتی ہیں تاہم ان سے مانگنا کسی کے لیے جائز نہیں۔ سلف سے یہ ثابت نہیں ہے۔ (التوسل والوسیلہ، ص: ۳۶)

علامہ قاضی شوکانی بھی اس کے قائل ہیں:

وقد ورد النص فی کتاب الملہ فی حق الشهداء انهم احياء يزقون وان الحیوة فیہم متعلقة بالجسد فكیف بالانبياء والمرسلین وقد ثبت فی الحدیث ان الانبياء احياء فی قبورهم۔ الخ (نیل الاوطار، ج ۳- ص: ۲۶۳)

وانہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ بعد موتہ کما فی حدیث الانبياء احياء فی قبورہم۔ (ایضاً ج ۵- ص: ۱۰۱)

کوئی یہ نہ سمجھے سعودی عرب کے شیخ ابنیوخ محمد بن عبد الوہاب حیات انبیاء کے قائل نہ ہونگے۔ نہیں ان کے بیٹے شیخ عبد اللہ نے صریحاً لفظوں میں حیات اور سماع کو تسلیم کیا ہے، آپ لکھتے ہیں:

والمدی نعتقد ان رتبة نینسا صلی اللہ علیہ وسلم اعلی مراتب المخلوقین علی الاطلاق وانہ حی فی قبرہ حیوة مستقرة البغ من حیات الشهداء المنصوص علیہا فی التنزیل اذ هو افضل منهم بلا ریب وانہ یسمع من یسلم علیہ۔ (بحوالہ اتحاف النبلاء، ص: ۴۱۵)

سعودی عرب کے علماء بھی سماع موتی کے قائل رہے ہیں، ممتاز عالم اور ریاض یونیورسٹی کے صدر امام الدعوة کے مشہور مدرس اپنی تالیف الاسئلة والاجوبة الفقہیہ میں ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

وبعرف المیت زائرہ یوم الجمعة قبل طلوع الشمس قالہ احمد وفي الغنیمہ یعرفہ کل وقت وهذا الوقت أكد وقال ابن المقیم الاحادیث والآثار تدل علی ان الزائر متی جاء علم فی المذور وسمع كلامه وانس به وهذا عام فی الشهداء وغیرہم وانہ لانوفیت فی ذلك۔ (الاسئلة والاجوبة ج: ۱- ص: ۲۸۴)

جب ایک عام مسلمان اور شہداء کے بارے میں یہ حال ہے تو کیا انبیاء کرام کا سماع اور ان کی حیات بدرجہ اولیٰ ثابت نہ ہوگی۔

افسوس کہ اس وقت حافظ ابن تیمیہ کے نام ایوان عرب کے کچھ سلفی علماء اور عجم میں ان کے تابعین (غیر مقلدین) کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں بے حس و حرکت پڑے ہوئے ہیں:

السلجنة الدائمة کے مفتی صاحبان فرماتے ہیں کہ قبر میں میت کی حرکت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، یہ میت نبی کی ہو یا غیر نبی۔ سب کا حکم ایک ہے: ”الاحصل فی المیت نبیا او غیرہ لا ینتحرک فی قبرہ بعد مدید او غیرہا“ (الدیوبندیس ۹۹)

لفظ کی بات یہ ہے کہ یہی خواجہ صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں، میت ہر صورت میت ہے، چاہے وہ کسی پیغمبر کی ہو یا غیر پیغمبر کی، محفوظ ہو یا غیر محفوظ۔

(قبر پرستی ص: ۷۷)

البتہ اہل حدیث باصطلاح جدید کے پہلے طبقہ کا عقیدہ یہی رہا ہے کہ حضور اپنی قبر میں (میت نہیں بلکہ) حیات ہیں اور صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں ظاہر ہے کہ بقول ان کے وہ سب باتیں قرآن وحدیث کے دواصول پر ہی کہتے ہیں۔ شیخ اکل فی اکل مولانا ندیر حسین دہلوی (۱۳۰۲ھ) ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

اور انبیاء کرام اپنی اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، خصوصاً آنحضرت۔۔۔ کہ فرماتے ہیں جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچا جاتا ہوں۔

(فتاویٰ ندیر بیج ۲- ص: ۵۵، تسکین الصدور ص: ۲۶۳)

جماعت غربائے اہل حدیث کے امام مولانا مفتی عبدالستار صاحب ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

ہاں صرف اتنا کہنا کہ اگر آپ کی قبر پر جا کر درود و سلام پڑھا جائے تو آپ سنتے ہیں بیشک ٹھیک ہے۔ (فتاویٰ ستاریہ ج ۱- ص: ۱۸۱)

غیر مقلد عالم مولانا عبد القہار سلفی لکھتے ہیں:

جو شخص آپ کی قبر پر جا کر سلام کہتا ہے، اس کا سلام آپ خود سنتے ہیں یہاں سے نہیں سنتے؛ کیوں کہ فرشتے پہنچانے کے لیے اللہ نے مقرر فرمائے ہیں۔

(فتاویٰ ج ۳- ج ۹۱)

موصوف ایک اور سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

قبر والے کسی کی بھی آدھ پکا نہیں سنتے قرآن مجید میں ہے: ”وما انت بمسموع من فی القبور“ ہاں نبی علیہ السلام کی قبر پر جا کر درود و سلام پڑھا جائے تو آپ سنتے ہیں جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ (ایضاً ص: ۱۱۷)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جو لوگ مذکورہ آیت سے حضور کے عدم سماعت پر استدلال کرتے ہیں، ان کا یہ استدلال درست نہیں۔ آیت سے غیر انبیاء کے لیے بیشک استدلال کیا جا سکتا ہے مگر پیغمبر اس سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ بات غیر مقلد مفتی فرما رہے ہیں۔ مولانا موصوف اپنے رسالہ طیل المناسک میں لکھتے ہیں کہ حضور نے فرمایا:

جو میری قبر کے پاس کھڑا ہو کر سلام یا درود بھیجتا ہے تو میری روح قبر میں لوٹا جاتی ہے اور اس کا جواب دیتا ہوں۔ (ص ۸۲ فتاویٰ ج ۳- ص: ۱۳۰)

جماعت اہل حدیث کے امام مولانا مفتی عبدالستار صاحب نے اس پر الجواب صحیح لکھا ہے۔

لیجیے غیر مقلد پیشوا نواب وحید الزماں حیدر آبادی لکھتے ہیں:

انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور اولیاء اللہ بھی ہو سکتا ہے کہ زندہ ہوں، مگر وہ زندگی میں بھی اسی کی سنتے تھے جو ان کے پاس رہ کر پکارے، نہ یہ کہ کوسوں یا منزلوں سے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی میری قبر کے پاس آ کر درود پڑھتا ہے تو میں سن لیتا ہوں اور جو کوئی دور سے پڑھتا ہے، تو فرشتے مجھ کو لاکر پہنچاتے ہیں، پھر جب حضور دور سے نہیں سنتے تو دوسرے اولیاء کس شمار میں ہیں۔ (افتاح اللہ ص: ۱- ص: ۱۲۰)

غیر مقلد پیشوانے اقرار کیا ہے کہ حضور اپنی قبر میں زندہ ہیں اور سلام کرنے والے کا سلام سنتے ہیں، بلکہ انھوں نے ایک گونہ اولیاء کی حیات اور ان کا سماع بھی تسلیم کیا ہے۔ موصوف ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

جب کوئی میری امت میں سے مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پھر پھیر دیتا ہے تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دوں، اس حدیث میں یہ اشکال ہے کہ دوسری حدیثوں سے یہ ثابت ہے کہ انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں، مگر ان کی ارواح مقدسہ اپنے پروردگار کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہیں۔ دنیا کی طرف ان کی توجہ نہیں ہے جب کوئی ان کو سلام کرتا ہے تو اس وقت ان کی روح اضر متوجہ ہوتی ہے تو روح سے اس کا متوجہ کرنا مراد ہے۔ (افتاح اللہ ص: ۲- ص: ۶۳)

اس سے واضح ہے کہ اہل حدیث باصطلاح جدید کے پیشوا حیات النبی کے عقیدے میں کسی بدعت کے مرتکب نہ تھے۔ ہاں موجودہ دور کے غیر مقلدین اس مسئلہ میں اپنے بزرگوں کو غلطی پر سمجھتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کی نسبت قرآن وحدیث کا زیادہ علم رکھتے ہیں اور اپنے بزرگوں کے بجائے ان کا عقیدہ زیادہ توحید پر مبنی ہے۔ مگر مولانا وحید الزماں بہت پہلے یہ فیصلہ سنا چکے ہیں کہ یہ لوگ اہل حدیث نہیں ہیں بلکہ ان لوگوں نے یہ نام چوری کر لیا ہے۔ آپ سماع موتی پر لکھتے ہیں:

ہم نے اس مسئلہ سماع موتی میں معتزلہ فقہاء اور بعض ان نام چوروں کی مخالفت کی ہے، جنھوں نے اپنا نام اہل حدیث رکھ رکھا ہے، جب کہ وہ اہل حدیث نہیں ہیں۔ (ہدیہ المہدی ص: ۶۰)

اب اگر ان غیر مقلدوں کے بارے میں یہ کہا جائے کہ طبقہ محدثین (اہل حدیث) سے ان کی کوئی نسبت نہیں بلکہ یہ ایک نیا فرقہ ہے جو سال پہلے انگریزی عمل داری میں پیدا ہوا ہے اور انھوں نے یہ نام (اہل حدیث) چوری کر لیا ہے تو اس میں غیر مقلدوں کو برا نہیں ماننا چاہیے؛ کیوں کہ یہ فیصلہ ان کے نواب اور پیشوا کا ہے۔ اور نواب صدیقی حسن خاں صاحب قنوجی نے بھی اسے جدید فرقہ ہی بتایا ہے۔ اور اس جماعت کے فرقہ ہونے کی شہادت تو خود ان کے اپنے گھروالے بھی دیتے ہیں۔ جماعت المسلمین کے رہنما مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں:

ہم اس جماعت کو فرقہ سمجھتے ہیں۔ (حدیث بھی کتاب اللہ ہے ص: ۶۷)

اگر مسعود صاحب کی اس شہادت سے اتفاق نہ ہو تو غیر مقلدوں کے ایک بڑے عالم کا فرمان عالی شان بھی ملاحظہ فرمائیے، جو ان کے اپنے جماعتی آرگن میں شائع ہوا۔

یہ جماعت ایک تحریک کے بجائے ایک فرقہ بن کر رہ گئی ہے۔ (ماہنامہ محدث جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ ص: ۲۶۶)

(از: مولانا محمد اقبال رنگونی)

